شینا اور بلتی ادب پر اردو زبان و ادب کے اثرات کا مطالعہ

(مطبوعہ کتب کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم۔فل (اردو)

مقالہ نگار:

عارف حسین

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، 2021

شینا اور بلتی ادب پر اردو زبان و ادب کے اثرات کا مطالعہ

(مطبوعہ کتب کے حوالے سے)

مقالہ نگار:

عارف حسین

یہ مقالہ

ایم۔فل (اردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگوئجز

(اردو زبان و ادب)

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جنوری، 2021

مقالے کے دفاع کی منظوری کا فارم

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: شینا اور بلتی زبان و ادب پر اردو کے اثرات (مطبوعہ کتب کے حوالے سے)

پیش کار: عارف حسین رجسٹریشن نمبر 1454/M/4/S18

ماسٹر آف فلاسفی

شعبہ: اردو زبان و ادب

ڈاکٹر عابد حسین سیال ----------

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر صوفیہ لودھی ----------

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان ----------

پرو ریکٹر اکیڈمکس

تاریخ ----------

اقرار نامہ

میں عارف حسین حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز اسلام آباد کے ایم فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عابد حسین سیال کی نگرانی میں کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

عارف حسین

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

جنوری 2021

فہرست ابواب

عنوان	صفحہ نمبر
مقالے کے دفاع کی منظوری کا فارم	iii
اقرار نامہ	iv
فہرست ابواب	v
Abstract	viii
اظہار تشکر	ix
باب اول: تعارف، تحقیقی طریق کار اور پس منظر	صفحہ 1 تا 17
الف۔ تمہید	
i۔ موضوع کا تعارف	1
ii۔ بیان مسئلہ	1
iii۔ مقاصد تحقیق	1
iv۔ سوالات	2
v۔ نظری دائرہ کار	2
vi۔ تحقیقی طریق کار	2
vii۔ موضوع پر ما قبل تحقیق	3
Viii۔ تحدید	3
ix۔ پس منظری مطالعہ	4
x۔ اہمیت	4
ب: بنیادی مباحث	4
i. گلگت بلتستان: جغرافیہ، تاریخ اور لسانی پس منظر	4
ii. شینا زبان: بنیادی خدوخال اور خصوصیات	10

iii. بلتی زبان: بنیادی خدوخال اور خصوصیات 12
iv. شینا اور بلتی کی ادبی روایت: اجمالی جائزہ 15
حوالہ جات 17

باب دوم: گلگت بلتستان میں اردو: آمد اور ترویج 18 تا 38
الف: گلگت بلتستان میں اردو 18
i. گلگت بلتستان میں اردو کی آمد: تاریخی پس منظر 18
ii. گلگت بلتستان میں اردو کی ترویج 21
ب: شینا اور بلتی پر اردو کے اثرات 25
i. شینا اور بلتی زبان پر اردو کے اثرات: اسباب و محرکات 25
ii. شینا اور بلتی زبان پر اردو کے اثرات کی نوعیتیں 32
حوالہ جات 37

باب سوم: شینا اور بلتی ادب پر اردو کے لسانی اثرات 39 تا 66
الف: شینا اور بلتی ادب پر اردو کے رسم الخط کے اثرات 39
i. شینا اور بلتی کا قدیم رسم الخط 39
ii. رسم الخط کی تبدیلی کا ارتقائی جائزہ 43
ب: شینا اور بلتی کے قواعد پر اردو کے اثرات 46
i. شینا اور بلتی کے قواعد: بنیادی خدوخال 46
ii. اردو کے زیر اثر قواعد کی تبدیلیوں کا جائزہ 53
ج: شینا اور بلتی کے ذخیرہ الفاظ پر اردو کے اثرات 56
i. مقامی الفاظ پر اردو کے لہجے اور تلفظ کے اثرات 56
ii. مقامی الفاظ میں اردو کے دخیل اور مستعار الفاظ 59
حوالہ جات 64

باب چہارم: شینا اور بلتی ادب پر اردو کے ادبی اثرات 67 تا105

الف: شینا اور بلتی ادب کا روایتی رنگ و آہنگ 67

i. شینا اور بلتی شاعری: افکار و موضوعات 67

ii. شینا اور بلتی شاعری: اصناف 71

iii. شینا اور بلتی شاعری: آہنگ و اسلوب 74

iv. شینا اور بلتی نثر: افکار و موضوعات 77

v. شینا اور بلتی نثر: اصناف 80

vi. شینا اور بلتی نثر: اسلوب 81

ب: شینا اور بلتی ادب کے افکار پر اردو کے اثرات 84

i. موضوعات میں تبدیلیاں 84

ii. اردو سے مستعار افکار 87

ج: شینا اور بلتی ادب کی اصناف پر اردو کے اثرات 90

i. اصناف میں تبدیلیاں 90

ii. اردو سے مستعار اصناف 92

د: شینا اور بلتی ادب کے اسالیب پر اردو کے اثرات 95

i. اسالیب میں تبدیلیاں 95

ii. اردو سے مستعار اسالیب 98

حوالہ جات 103

باب پنجم: ماحصل 106تا111

الف: مجموعی جائزہ اور نتائج 106

ب: سفارشات 110

کتابیات 112

Abstract

Title: Influence of Urdu on Shina and Balti language literature

Abstract:

Among the languages spoken in Gilgit Baltistan, the two significant and ancient ones are Shina and Balti .Despite the fact that their history, forms, phonetics and syntax are unique; it's undeniable that changes take place in religious, political and social spheres have drastically affected these languages. On the one hand, Islamic religious influence rendered their script Perso –Arabic look and on the other hand the political changes in the region during Dogra regime introduced Urdu influence too .Just within one year after creation of Pakistan ,when Gilgit Baltistan also ceded to Pakistan linguistic revolution in the form Urdu took indigenous languages under its deep influences .What influneces did the National language Urdu,cast on thematic and stylistic aspects of Balti and Shina ?What merits and de merits did these influences bring to these languages .The present research probes into these fields .This thesis uses the written literature of these two major languages of GB as scale to judge influence of Urdu on Shina and Balti .It brings under discussion the classical poetry and prose as well as the modern creative literature more over dialects ,grammar ,proverbs .in fact this theses is also an effort to get the path that may lead to the use of these influences of Urdu on Bati and Shina advantageously .The thesis provides relevant arguments in the form of conclusion and recommendations.

اظہار تشکر

شکر گزار ہوں اس خالق کائنات کا جس کے قبضہ قدرت میں نبض کائنات ہے۔ درود ہو اس مدینہ علم ﷺ پر جس نے علم کا در کھولا اور ہمیں طالب علم بنایا۔ اس مقالے کی تکمیل پر میں بعد از شکر اتنا ضرور کہوں گا کہ میرے لیے یہ کام آسان نہ تھا۔ لیکن تشنہ لب کو سیر اب کرنا جن کی میراث ہو ان کی عطا کا صدقہ ملے تو سب کچھ ممکن ہو جاتا ہے۔ اپنے جملہ اساتذہ بالخصوص استاد محترم عابد حسین سیال کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ استاد محترم نے بطور نگران ہر مرحلے پر میری ہمت بندھائی۔ بعض اوقات لگتا تھا کہ مسائل کا بوجھ مجھے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گا لیکن میرے استاد پر مجھے فخر ہے کہ جنہوں نے یقین دلایا کہ ''تم کر سکتے ہو''۔ اب ہمت ایسی یکجا ہوئی ہے کہ آخری سانس تک اس میدان میں کمر کمر بستہ رہنے کا مصمم عزم ہے۔

اس موقع پر اپنے مرحوم والدین کے لیے دعا گو ہوں جن کا خواب ہمیشہ سے مجھے کامیاب دیکھنا تھا۔ اپنے دوستوں پر مجھے ہمیشہ ناز رہے گا۔ محترم محمد حسن حسرت اور بشارت حسین ساقی کا خصوصی شکریہ کہ ان کی لائبریری تک رسائی نے اس مقالے کی تکمیل کو یقینی بنایا۔ محمد افضل سدپارہ، محمد حسین آزاد، محترم افتخار علی پرنسپل اسوہ کالج سکردو، عزیز جان مظہر عباس، میرے محسن سید ندیم رضا، کاچو بشارت حسین، ڈاکٹر جابر حسین، ڈاکٹر عابد حسین، سلمان ہریکونی اور علی کامل کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرے بڑے بھائی کا درجہ رکھنے والے ہمدرد جناب میجر جنرل احسان منڈوق کا خصوصی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہیں ہمیشہ میری تعلیم کی فکر رہی ۔ مرحوم حشمت کمال الہامی کی بلندی درجات کے لیے دعا گو ہوں۔

اس تحقیق کے نتائج اور سفارشات کی بنیاد پر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ زیر نظر موضوع مقامی زبانوں کی اہمیت اور ان کے تحفظ کا مقدمہ ہے جس پر ماہرین لسانیات کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی گئی ہے

عارف حسین

سکالر ایم فل اردو

باب اول:

تعارف، تحقیقی طریق کار اور پس منظر

الف: موضوع کا تعارف اور تحقیقی طریق کار

I۔ موضوع کا تعارف:

گلگت بلتستان وہ خطہ ہے جسے اپنے منفرد جغرافیہ اور مخصوص تہذیب و تمدن کی وجہ سے خاص حیثیت حاصل ہے۔ انتظامی طور پر یہ خطہ دو ریجن گلگت اور بلتستان میں تقسیم ہے۔ گلگت کی بڑی زبان شینا اور بلتستان کی بڑی زبان بلتی کہلاتی ہے۔ یہ زبانیں بولنے والے نہ صرف گلگت بلتستان بلکہ دیگر خطوں میں بھی بسے ہوئے ہیں۔ کرگل لداخ اور تبتی علاقوں میں یہ زبانیں قدرے بدلے ہوئے لہجے اور تلفظ کے ساتھ بولی جاتی ہیں۔ ان زبانوں پر یوں تو فارسی اور عربی زبان کے اثرات بھی آمد اسلام کے ساتھ ہی مرتب ہوئے تاہم اردو وہ زبان ہے جس نے ان پر براہ راست اور تیزی سے اثرات مرتب کیے۔ ان زبانوں کے قواعد، ادب، بول چال اور اسلوب میں اردو کا غیر معمولی عمل دخل دیکھا، سنا اور پڑھا جاسکتا ہے۔ سائنسی ترقی نے ان اثرات کو مزید تیز کر دیا ہے۔

ii۔ بیان مسئلہ:

بڑی زبانوں کے چھوٹی زبانوں پر اثرات کا اظہار روزمرہ گفتگو میں لاشعوری طور پر لگ بھگ روز ہی ہوتا ہے۔ ایسے میں ادب سب سے بہترین پیمانہ ہے کہ جس میں زبانوں کی ترقی یا تنزلی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ زیر نظر تحقیق اسی جانب ایک کوشش تھی کہ بلتی اور شینا میں اردو کے زیرِ اثر کس نوعیت کی تبدیلیاں کس تناسب میں ظہور پذیر ہوئیں۔

iii۔ مقاصد تحقیق:

زبانیں قوموں کی پہچان ہوا کرتی ہیں۔ ایسے میں وہ زبانیں کہ جن کا لہجہ، قواعد، مخارج، الفاظ کے ذخائر، حروف تہجی اور ادب منفرد ہو، ان زبانوں کو اپنی انفرادیت کی وجہ سے اہمیت ملنی چاہیے۔ مذکورہ زبانیں

اس ضمن میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان زبانوں کے بولنے والے الگ الگ تہذیب و تمدن کے امین ہیں۔ان زبانوں میں تخلیق ہونے والا ادب بھی ایسا قیمتی سرمایہ ہے کہ جس کو خطے بلکہ ملک کی شناخت کے طور پر متعارف کرایا جاسکتا ہے۔ اردو ادب کے امتزاج نے اس میں مزید نکھار پیدا کر دیا ہے۔ اس امتزاج سے تشکیل پانے والا لسانی ڈھانچہ اور ادب مخصوص رنگ رکھتا ہے۔زیر نظر مقالے کے مقاصد بھی اسی تناظر میں مختصراً درج ذیل تھے:

i. گلگت بلتستان کی دونوں بڑی زبانوں کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کو اجاگر کرنا۔
ii. دونوں زبانوں کے قدیم اور جدید لسانی خدوخال کو جانچنا۔
iii. دونوں زبانوں کے ادب پر اردو کے اثرات کا جائزہ لینا۔
iv. تحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں علاقائی زبانوں کے تحفظ میں قومی زبان کے کردار کی اہمیت واضح کرنا۔

iv۔ تحقیقی سوالات:

اس موضوع پر تحقیق میں دو بنیادی سوالات پیش نظر رہے ہیں :

I بلتی اور شینا ادب پر اردو زبان و ادب کے اثرات کی نوعیت کیا ہے؟
II ان اثرات کے کن پہلوؤں کو ان زبانوں کے حق میں مثبت اور کن کو منفی کہا جاسکتا ہے؟

v۔ نظری دائرہ کار:

کسی بھی زبان کے ادب کا ارتقائی لسانی مطالعہ اس زبان کے بدلتے ہوئے خدوخال کا عکاس ہوتا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی زبان کسی دوسری زبان کے زیرِاثر ردوقبول کے کن مراحل سے گزر رہی ہے۔ بول چال میں در آنے والی تبدیلیاں عبوری نوعیت کی ہوتی ہیں جبکہ ادبی متن کسی تبدیلی کے استحکام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔زیر نظر تحقیق میں بھی ادبی متون کو زبان کی تبدیلی کے پیمانے کے طور پر پرکھا گیا ہے اور ادبی متون کا لسانی تجزیہ کیا گیا ہے۔

vi۔ تحقیقی طریقہ کار:

زیر نظر تحقیق کو تکمیل تک پہنچانے کے لیے اس موضوع سے متعلقہ مطبوعہ مواد کی جمع آوری اور ترتیب نہایت اہمیت کی حامل رہی ہے۔ اس ضمن میں دستاویزی تحقیق کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے لسانی تاریخ

کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بنیادی مآخذ تک رسائی کے لیے مختلف سرکاری اور نجی کتب خانوں میں کتب، جرائد ورسائل ، مضامین، مقالوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ علاقائی زبانوں کے ماہرین کے انٹرویوز، مضامین، مقالے اور ترویج زبان کے اداروں کی جانب کی جانے والی کانفرنسوں کے مطبوعہ احوال کو بھی تحقیقی مواد کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

vii۔ موضوع پر ما قبل تحقیق:

زیر نظر موضوع پر اب تک براہ راست کوئی خاطر خواہ تحقیقی کام نہیں ہوا تاہم علاقائی زبانوں پر ہونے والی تحقیق میں اس موضوع کی بجائے زبانوں کے تاریخی پس منظر، لسانی پہلوؤں اور ادب پر کام کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر عظمی سلیم کی کتب ''شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب'' اور ''گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ'' میں اس عنوان پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ عنوان از خود اتنا ضخیم اور تحقیق طلب ہے کہ اس کا احاطہ ایک ضمنی یا ذیلی باب میں ممکن نہیں بلکہ اس مقصد کے لئے ایک عمیق تجزیہ اور مفصل تحقیق کی ضرورت تھی۔ زبان اور ادب کو مد نظر رکھ کر عبدالخالق تاج نے ''شینا زبان و ادب''اکبر حسین اکبر نے ''اردو اور شینا کے مشترک الفاظ''ڈاکٹر ممتاز منگلوری نے ''مختصر تاریخ زبان و ادب گلگت بلتستان''سید عالم نے ''مالی علاقہ جات میں اردو'' راجہ محمد علی شاہ صبا نے ''بلتی اردو لغت''پروفیسر امین ضیا نے ''سوینو مورے'' اور ای لوری مئیر نے ''لینگویج ہنٹنگ ان قراقرم''مرتب کی۔ ان تمام کتابوں میں بھی مقامی زبانوں پر دیگر زبانوں کے اثرات پر کوئی بات خاطر خواہ نہیں کی گئی ہے جبکہ اس جانب اگر نگاہ کی جائے تو زبان دانی کے حوالے سے مفید مباحث جنم لے سکتے ہیں۔ زیر نظر تحقیق میں اسی لیے ان زبانوں اور ان میں تخلیق ہونے والے ادب کو بطور تجزیہ سامنے لایا گیا ہے۔

viii۔ موضوع کی تحدید، بنیادی مآخذ

اس تحقیق میں بلتی اور شینا کے لسانی خدوخال، قواعد، تاریخ زبان اور ادب کو پرکھنے کے لیے مقامی ادبیات اور لسانیات کی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اور تحریری ادب کو ہی تحقیق کا محور بنایا گیا۔ بلتی اور شینا زبان کے لغات اور ادبی تخلیقات نے اس تحقیق میں بنیادی کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں پس منظر کے طور پر علاقے کا جغرافیہ بھی سامنے رکھا گیا۔

ix۔ پس منظری مطالعہ

زیر نظر تحقیق کو آگے بڑھانے کے لیے پس منظری مطالعے میں گلگت بلتستان سے شائع ہونے والی شینا اور بلتی زبان کی کتب کے علاوہ ان زبانوں کے بارے میں اردو میں لکھا جانے والے مواد بھی زیر مطالعہ رہے جن میں سے اہم کتب کا تذکرہ ما قبل تحقیق کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔ جامعات میں اس موضوع پر کام نہ ہونے کے برابر ہے، تاہم پاکستانی زبانوں پر ہونے والا تحقیقی کام عمومی جائزے کے لیے پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ گلگت بلتستان ایک کثیر اللسانی خطہ ہے اس لیے یہاں کی زمین ادب کے لیے بھی زرخیز ہے تاہم اس تنوع کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ اس خطے نے ہر نئی زبان کے اثرات قبول کیے۔ ان اثرات کے منفی اور مثبت دونوں پہلو ہیں ۔ عام بول چال سے لے کر افسانوی اور غیر افسانوی ادب تک میں اردو کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ ان زبانوں کے بولنے والوں کو اردو بطور قومی زبان ملی جذبے کے تحت بھی پسند ہے اور ساتھ ساتھ اردو ہی رابطہ کاری کے لیے مؤثر ترین وسیلہ بھی ہے۔

X۔ موضوع کی اہمیت

زیر نظر تحقیق بلتی اور شینا زبان و ادب پر اردو زبان و ادب کے ان ہی اثرات کو پرکھنے اور ان کا تجزیہ کرنے کی ایک کاوش تھی۔ موضوع پر تحقیق کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ تیزی سے معدوم ہوتی زبانوں میں بلتی اور شینا شامل ہیں اور ان زبانوں کے بدلتے خدوخال پر بحث و تبصرے سے ہی ان چھوٹی زبانوں کے تحفظ کے دریچے کھل سکتے ہیں۔

ب: بنیادی مباحث

i۔ گلگت بلتستان: جغرافیہ، تاریخ اور لسانی پس منظر

گلگت بلتستان پاکستان کے انتہائی شمال میں واقع وہ خطہ ہے جو تین پہاڑی سلسلوں قراقرم، ہمالیہ اور ہندوکش کے درمیان پھیلا ہوا ہے اور اس خطے کا مجموعی رقبہ 70332 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ خطہ فلک قامت پہاڑوں کے درمیان ان لوگوں کا مسکن ہے جو کہ مختلف چھوٹی اور بڑی علاقائی زبانیں بولتے ہیں۔ ازمنہ قدیم سے ہی گلگت بلتستان انتظامی طور پر دو واضح حصوں میں تقسیم رہا ہے۔ مولوی حشمت اللہ کی تاریخ جموں کے مطابق:

"تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ گلگت کا قدیمی نام سر جن تھا۔ بعد میں اسے گلیت کا نام دیا گیا۔ سر جن اور گلیت دونوں کی وجہ تسمیہ کچھ دریافت نہیں ہو سکی بعض مورخین نے قدیم سنسکرت کتابوں گھالا تا کے ساتھ گلیت نام کی مطابقت کو مفاہمت دی ہے مگر اس کی تائید میں کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گزری۔"(1)

خطہ بلتستان کی تاریخ اور قدیم معاشرتی پس منظر پر لکھی گئی کتاب "Baltistan In History" میں مصنف بنات گل آفریدی نے بلتستان کو یوں بیان کیا ہے:

"The karakuram or trans Tibtetan chain from the natural boundary of Ladakh and the areas of Balti,Hunza Nagar and Gilgit on the North .It was known as the Bolor range .....the continuation of the chain ,about 130 miles in length was known as the Karakuram range ."(2)

گلگت بلتستان کے دو بڑے ریجن گلگت اور بلتستان ہیں جن کو یکجا کر کے گلگت بلتستان کا نام دیا گیا اور 2009 میں گلگت بلتستان سیلف ایمپاورمنٹ اینڈ گورننس آرڈر کے تحت اس خطے کا نام ریاستی طور پر بھی یہی رکھا گیا جبکہ اس سے قبل یہ شمالی علاقہ جات کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ گلگت بلتستان میں مجموعی طور پر دس اضلاع ہیں گلگت ریجن میں گلگت، غذر، ہنزہ، نگر، استور، دیامر جبکہ بلتستان میں سکردو، گانگچھے، کھرمنگ اور شگر کے اضلاع شامل ہیں۔ گلگت ریجن کی سب سے بڑی زبان شینا ہے اور چونکہ اس نیم صوبے کا ہیڈ کوارٹر بھی گلگت ہے اس لئے بھی شینا کو پورے خطے میں اہمیت حاصل ہے۔ بلتستان ڈویژن اس خطے کا دوسرا بڑا انتظامی خطہ ہے اور یہاں کی آبادی کا 90 فیصد حصہ بلتی زبان استعمال کرتا ہے۔ گلگت بلتستان کا پورا خطہ آزادی پاکستان کے بعد آزاد ہوا۔ گلگت ریجن نے یکم نومبر 1948 جبکہ بلتستان نے قیام پاکستان کے ایک سال بعد 1948 میں ڈوگرہ راج سے آزادی حاصل کی۔ خطہ گلگت بلتستان نے آزادی کے بعد پاکستان سے الحاق کیا لیکن اب بھی یہ خطہ آئین پاکستان کے دھارے میں شامل نہیں۔ ایک صدارتی فرمان کے تحت اس نیم صوبائی حکومتی ڈھانچے کو چلایا جارہا ہے۔ اس کثیر لسانی خطے کی قومی زبان بھی اردو ہی ہے اور تاہم مقامی زبانوں میں بھی اس خطے کا دامن مالا مال ہے۔ ڈاکٹر ممتاز منگلوری بلتی اور شینا کو یہاں کی بڑی زبانیں قرار دیتے ہیں:

"گلگت بلتستان میں دو بڑی زبانیں شینا اور بلتی بولی جاتی ہیں۔ بلتستان کے دو اضلاع سکردو اور گانچھے میں نوئے فیصد سے زائد افراد بلتی زبان بولنے والے ہیں۔ شینا اس علاقے کی بڑی زبان ہے جو کہ دیامر، استور، گلگت، داریل اور تانگیر کے تمام علاقوں

اور ہنزہ نگر کے کچھ علاقوں میں بولی جاتی ہے علاقے کی دوسری بڑی زبانوں میں
بروشسکی، وخی، گوجالی اور کھوار شامل ہیں۔"[3]

یہ خطہ جسے ماضی میں شمالی علاقہ جات کے نام سے شہرت حاصل تھی اصل میں اپنے منفرد محل وقوع کی وجہ سے یوں قدرتی طور پر تقسیم ہے کہ یہاں کے خدوخال کا جائزہ لینا زیادہ مشکل نہیں۔ پہاڑوں، جھیلوں ،دریاوں اور گلیشرز کی اس سرزمین کا محل وقوع بھی نہایت اہم ہے۔ دنیا کی دوسری بلند ترین پہاڑی چوٹی کے ٹو سمیت 8 ہزار میٹر سے بلند پانچ پہاڑی چوٹیاں یہاں موجود ہیں اسی طرح دنیا کا بلند ترین محاذ جنگ سیاچن، پاکستان کو دوست ملک چین سے ملانے والی سرحد خنجراب اور پاکستان کی تجارتی شہ رگ سی پیک شاہراہ بھی اسی خطے سے گزرتی ہے۔

جغرافیہ:

گلگت بلتستان اپنے مخصوص جغرافیہ کے باعث پاکستان کا وہ اہم خطہ بھی ہے جسے ملک کی دفاعی شہ رگ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ اس خطے کے شمال میں چین، تاجکستان اور افغانستان موجود ہے۔ جنوب کی جانب آزاد جموں اور مقبوضہ جموں کشمیر کے علاقے، مشرق میں مقبوضہ کشمیر اور مغرب کی جانب چترال کا علاقہ موجود ہے۔ گلگت بلتستان کی آب وہوا سرد اور خنک ہے۔ گلگت بلتستان کے جغرافیہ کو ڈاکٹر شجاع ناموس نے یوں بیان کیا ہے:

"گلگت ضلع کے شمال مغرب میں کوہ ہندوکش واقع ہے یہاں بھی پانی ڈھال کا جتنا علاقہ دریائے گلگت کی طرف واقع ہے وہ ضلع گلگت میں شامل ہے یعنی اشکومن اور یاسین کی وادیاں ان کے نیچے کوہ غذر کی وادی ہے جو کہ گلگت کے مغرب میں واقع ہے۔ کوہ غذر کے نیچے داریل تانگیر کا علاقہ ہے اور اس کا مغربی پہلو گلگت ضلع کے مغرب میں ہے دونوں علاقوں کا پانی براہ راست نالوں کے ذریعے دریائے سندھ میں آکر گرتا ہے۔"[4]

اسی طرح بلتستان کو بھی خطہ قراقرم اور ہمالیہ کے پہاڑوں نے اگرچہ قدرتی طور پر تقسیم کیا ہوا ہے اور اس کے چاروں اضلاع ان پہاڑی سلسلوں کے درمیان علیحدہ فاصلوں پر اپنا تشخص ظاہر کرتے ہیں جبکہ سکردو اس کا صدر مقام ہونے کے ناطے از خود اہمیت کا حامل ضلع ہے تاہم اس شدید سرد ریجن یعنی بلتستان کی اپنی تاریخ ہے جو کہ گلگت سے قدرے مختلف بھی ہے۔ بلتستان کو 1949 کی جنگ بندی لائن کے تناسب سے دیکھا جائے تو یہاں کا رقبہ 26205 مربع کلومیٹر بنتا تھا تاہم 1971 کی جنگ میں یہاں کا بعض حصہ بھارتی قبضے

میں چلا گیا۔ بلتستان کے حدود اربعہ کو محقق محمد حسن حسرت نے اپنی کتاب بلتستان تہذیب و ثقافت میں لکھتے ہیں:

"پاکستان کے انتہائی شمال میں سلسلہ کوہ قراقرم اور ہمالیہ کے درمیان دس ہزار ایک سو اٹھارہ مربع میل پر پھیلا ہوا پہاڑی علاقہ بلتستان کہلاتا ہے جو سکردو ،خپلو ، شگر ،کھرمنگ ،رونگ یل اور گلتری کیوادیوں پر مشتمل ہے۔انتظامی لحاظ سے علاقہ دو اضلاع سکردو اور گانچھے میں منقسم ہے اور سکردو پورے بلتستان کا جنکشن ہے۔بلتستان کے جنوب میں وادی کشمیر، مشرق میں لداخ پوریگ (کرگل) مغرب میں ضلع گلگت اور دیامر کی وادیاں ہیں جبکہ شمال میں برف پوش سلسلے بلتستان کو سنکیانگ سے جدا کرتے ہیں یوں یہ خطہ وطن عزیز کی وہ شمالی سرحد ہے جو کہ دیگر ممالک سے پاکستان کی سرحدوں کو ملاتا ہے جبکہ سی پیک نے اس خطے کی اہمیت مزید بڑھادی ہے۔"(5)

گلگت کو الحاق پاکستان کے بعد پاکستانی ریاست کے زیر انتظام دیا گیا اور یوں پولٹیکل ایجنٹ کی تعیناتی بھی عمل میں لائی گئی۔دوسری جانب بلتستان میں تحریک آزادی جاری رہی اور حسن اتفاق یہ ہے کہ 14 گست 1948 کو بلتستان نے بھی ڈوگرہ راج سے آزادی حاصل کرلی۔ اس سے قبل کی صورت حال کو ڈاکٹر ناموس کے مطابق:

"مگر سچ پوچھو تو اس خطے کا نام گلگت ہی نہیں اس کا اصل نام" گلیت" ہے۔قدیم سے اس کانام یہی چلا آیا ہے یہاں کے لوگ بھی اسے گلیت کے نام سے یاد کرتے ہیں۔جب سکھ حملہ آور اس وطن میں داخل ہوئے تو ان کی زبان پر گلیت نے زیب نہ دیا۔انہوں نے اس کا نام گلگت رکھ دیا۔جیسے ڈوگروں نے یہاں شہروں کے کئی نام بدلے۔استور کو اپنے کاغذات میں حصورا رکھ دیا۔ سکھوں کی آمد (۱۸۴۲) کے بعد اس شہر اور علاقے کو گلگت کہنا شروع کیا یعنی جب سے گلگت کی تاریخ وجود میں آئی اس مقام اور خطہ کا نام گلگت لکھا جاتا رہا ہے۔"(6)

اس خطے کی مستند تاریخ اگرچہ تحریری صورت میں دستیاب نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ چلی آنے والی کہانیوں اور داستانوں کی بنیاد پر اس خطے کی تاریخ کا اندازہ لگایا گیا اور بعد میں اسی بنیاد پر اسے مرقوم کیا گیا۔ان داستانوں میں دیومالائی اور مافوق الفطرت کہانیوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ محققین کے مطابق یہاں کی تاریخ دو الگ حصوں میں دکھائی دیتی ہے:

1۔بلورستان 2۔دردستان

بلورستان کی اگر بات کی جائے تو بلتستان کو اگرچہ مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا رہا ہے مثلا بالتی، بلور، پلویو اور تبت خورد وغیرہ کے ناموں سے بلتستان کو پکارا جاتا رہا ہے۔ اس خطے کے بارے میں ایک روایت یہ بھی بہت مشہور ہے کہ یہاں ایک دیومالائی کردار ہلافو کیسر کی حکومت تھی اور کیسر کی سلطنت بہت وسیع و عریض تھی جبکہ یہاں کے لوگ بون مذہب کے پیروکار تھے۔ اسی جانب محقق غلام حسن لوبسانگ اپنی کتاب تاریخ بون فلسفہ میں لکھتے ہیں:

> ''دسویں صدی عیسوئی سے قبل بلتستان نسلی، لسانی اور سیاسی لحاظ سے عظیم تبت کا حصہ تھا لیکن آٹھویں صدی عیسوئی میں بون مت اور بدھ مت کے پیروکاروں میں خانہ جنگی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں تبت کا شیرازہ بکھر گیا اس طرح بلتستان نے اپنا علیحدہ تشخص قائم کیا۔ تاہم نسلی اور لسانی اعتبار سے اس کا یہی تشخص آج بھی جوں کا توں برقرار ہے۔''(7)

بلتستان کی قدیم تاریخ کے محققین کے مطابق اس بات پر بہر حال سب کا اتفاق نظر آتا ہے کہ اس خطے کو پولولو کہا جاتا رہا ہے اور بلور نام کا اس خطے سے تعلق صرف اتنا ہی تھا کہ یہ نام پولولو کا معرب تلفظ ہے۔ تاریخ بلتستان میں یوسف حسین آبادی نے ان الفاظ میں اس بات کی تصدیق کی ہے:

> ''بلتستان کا بلور نام کے ساتھ فقط اتنا تعلق ہے کہ بلور پولولو کا معرب تلفظ ہے جو بنیادی طور پر بلتستان کا نام تھا۔ بلتی لوگ ان دو ناموں میں سے کسی کو بھی استعمال نہیں کرتے تھے۔ یہ بلور کے تعارف کا ابتدائی مرحلہ تھا۔ بعد کے زمانوں میں مسلمان مورخین کے سامنے جو مخصوص علاقہ بلور کے نام سے معروف ہوا اس میں بلتستان شامل نہیں ہے بلکہ سابق چھوٹے پولولو کے نام میں شامل علاقوں کا نام بلور پڑ گیا لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ وہاں کے لوگوں نے بھی اپنے لئے یہ نام استعمال نہیں کیا انہوں نے اس سے مراد حقیقی پولولو یعنی بلتستان مراد لیا۔''(8)

گلگت بلتستان کو بطور اکائی دیکھا جائے تو یہ خطہ مسلسل ارتقا کے اثر میں ہے۔ قدیم ادوار سے نکل کر اب یہ خطہ پاکستان کا وہ حصہ بن چکا ہے جہاں صوبے کی طرز پر انتظامی امور چلائے جارہے ہیں۔

گلگت بلتستان کثیر لسانی خطہ ہے اور یہاں کی آبادی کی مقامی بولیوں کے علاوہ اس خطے میں بسنے والی دیگر اقوام نے بھی اس خطے میں نئی زبانوں کی آمد و رائج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ازمنہ قدیم سے اب تک اگر نظر دوڑائی جائے تو اس خطے میں وسیع یا محدود پیمانے پر پندرہ سے زائد زبانیں شینا، بلتی، بروشسکی، ڈومکی، واخی، کھوار، کوہستانی، کاشغری (ایغور)، پشتو، گوجری، فارسی، کشمیری، ہندکو، اردو، انگریزی رائج ہیں۔

مذکورہ بالا زبانوں میں سے متعدد زبانیں یا تو محدود علاقوں میں بولی جاتی ہیں یا پھر ان کا استعمال مخصوص قبائل کرتے ہیں ان میں وہ قبائل بھی شامل ہیں جو کہ یہاں روزگار یا کاروبار کے سلسلے میں عرصہ دراز سے مقیم ہیں۔ تاہم شینا، بلتی اور بروشسکی یہاں کی تین بڑی زبانیں ہیں۔ گلگت میں شینا اور بلتستان میں بلتی کا دور دورہ ہے۔ دونوں زبانوں میں ادب بھی تخلیق ہو رہا ہے اور لسانیات کے ماہرین ان زبانوں پر تحقیق کے ساتھ ان میں فی زمانہ تبدیلیوں پر بھی توجہ مرکوز کیے نظر آتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شینا اور بلتی دونوں زبانوں کا پھیلاو ان خطوں میں بھی ہے جو 1948 کے بعد پاکستان کا حصہ نہیں رہے شینا زبان پر تحقیق کا بار گراں اٹھا کر ڈاکٹر شجاع ناموس نے اگلے وقتوں کے محققین کے لیے بہترین ضمیمہ فراہم کیا۔ ڈاکٹر ناموس نے اپنی اولین تحقیق میں نہ صرف شینا زبان کی تاریخ اور لسانی خصوصیات پر بات کی ہے بلکہ اس کا وطن بھی باقاعدہ نقشے میں واضح کر کے اس پر روشنی ڈالی ہے:

> ''شینا زبان وسیع علاقے میں بولی جاتی ہے جس کا رقبہ بارہ ہزار تین سو باون مربع میل ہے یہ شینا کا وطن ہے یہ سب پہاڑی علاقہ ہے جو کشمیر اور کاغان کے پہاڑوں کی شمال کی طرف واقع ہے شینا زبان کی سرزمین بے برگ و بے گیاہ بلند و بالا پہاڑ ہیں۔۔۔ شینا زبان کا تمام وطن وادی در وادی کوہستان ہے۔''(9)

یہ زبان نہ صرف گلگت ریجن بلکہ بعض ترامیم اور تبدیلیوں کے ساتھ ضلع کوہستان میں بھی بولی جاتی ہے اس زبان کی تاریخ سے متعلق ڈاکٹر عظمی سلیم کے الفاظ:

> ''یہ شین قوم کی مخصوص زبان ہے جو کہ گلگت کے خطے میں بولی جاتی ہے اس زبان کی تاریخ Gilgit Manuscript نامی اس قلمی دستاویز سے شروع ہوتی ہے جو ۱۹۳۸ کی کھدائی میں گلگت کے قریب نوپورہ گاوں سے دریافت ہوا اس کا رسم الخط بودھی سنسکرت ہے تاہم یہ رسم الخط بھی اسی قلمی نسخے تک محدود رہا ابتدا سے یہ اردو رسم الخط میں لکھی جاتی رہی ہے(10)

اسی طرح اگر بلتی زبان کی بات کی جائے تو یہ زبان بھی زمانہ قدیم سے تبت خورد میں رائج رہی ہے۔ قدیم زبان کا درجہ رکھنے والی بلتی کا اپنا رسم الخط ''''اگے''''' تھا جو کہ بعد میں متروک ہو گیا بلتی زبان سے متعلق محقق محمد حسن حسرت اپنی کتاب بلتستان تہذیب و ثقافت میں بلتی کو سائینو تبتی زبان قرار دیتے ہیں:

> ''بلتستان اور سرحد پار بھارتی مقبوضہ کرگل (پوریگ) میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ بلتی کہلاتی ہے یہ سائینو تبتین Sino Tibetan زبان کی Tibeti Burman شاخ سے

تعلق رکھتی ہے گویا یہ مشہور تبتی زبان کی ایک بولی ہے جس کی اصل تو تبتی ہے لیکن جہاں جہاں مسلمان علاقوں میں یہ رائج ہے وہاں یہ بلتی کے نام سے معروف ہے۔"(11)

عہد حاضر میں بلتستان کے علاوہ بھارت میں کرگل میں بلتی رائج ہے جبکہ سرحد پار بھی بلتی ادب و زبان کی ترویج کے لئے کام ہو رہا ہے۔ یوں گلگت بلتستان کی دونوں بڑی زبانیں شینا اور بلتی جہاں اپنے علاقوں کی قدیم تاریخ، تہذیب اور ثقافت کی آئینہ دار ہیں وہیں بطور زبان ان کی اپنی جگہ اہمیت بھی مسلمہ ہے۔ ابلاغ عامہ کے لئے موثر ان زبانوں کی ان ہی خصوصیات کے پیش نظر پاکستان ٹیلی ویژن سے شینا اور بلتی کے الگ الگ خبرنامے بھی نشر کیے جاتے ہیں جبکہ سرکاری سطح پر بھی ان زبانوں کی ترویج اشاعت کا کام جاری ہے۔

ii۔ شینا زبان: بنیادی خدوخال اور خصوصیات:

خطہ قراقرم کے کثیر لسانی خطے میں بولی جانے والی زبانوں میں بڑی زبان شینا ہے جو کہ گلگت اور اس کے ملحقہ علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ گلگت کے علاوہ نگر، ہنزہ، پنیال، اشکومن، بگروٹ جگلوٹ اور گوپس کی دو تہائی آبادی شینا بولتی ہے۔ استور، تانگیر، چلاس اور داریل کی سو فیصد آبادی کی زبان شینا ہے جبکہ بلتستان میں سدپارہ، گلتری، روندو کے اور کھرمنگ کے بعض علاقوں میں شینا زبان بولی جاتی ہے ضلع کوہستان کے بعض حصوں میں بھی یہی زبان رائج ہے، اس زبان سے متعلق ڈاکٹر ناموس لکھتے ہیں:

"شینا زبان کے وطن کا رقبہ بارہ ہزار تین سو باون مربع میل ہے۔ اس میں یہ علاقے شامل ہیں۔ گلگت ایجنسی اس کے شمال میں ریاست نگر کا تھوڑا حصہ ریاست نیپال ،داریل تانگیر ،تانگیر کے شمالی پہاڑ کمر سندھ کوہستان چلاس ،صوبہ شمالی کشمیر کی خوبصورت گریز وادی جس سے دریائے کشن گنگا بہتا ہے۔۔۔ حتیٰ کہ لوگوں کی مادری زبان صرف شینا رہ جائے گی۔"(12)

محققین کی رائے یہ ہے کہ شینا بھی ہند آریائی زبانوں میں سے نکلی ہوئی زبان ہے اور لفظ شینا از خود "شین" لفظ سے مشتق ہے جو کہ آریائی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ اس حوالے سے تاہم محققین میں اختلاف ہے کہ آیا شینا ہند آیائی زبان ہے کہ نہیں۔ شینا کے آغاز و ارتقا پر ابتدائی تحقیق مغربی اور غیر ملکی محققین کی نظر آتی ہے جنہوں نے اسے انڈو آرین زبان قرار دیا لیکن اس نظریئے سے ڈاکٹر ناموس نے اختلاف کیا ہے۔ اسے ہند آریائی زبان کہنے والے محققین اس زبان کو شین قوم کے نسلی گروہی منبع کو زبان کی بنیاد قرار

دیتے ہیں۔ Livning languages کے عنوان سے گلگت بلتستان کی زبانوں پر شائع کی گئی ریسرچ میں محقق شکیل احمد لکھتے ہیں:

> "The Shina language belongs to Shina group of Dardik branch of the Nort western zone of Indo Aryan sub family of languages .Most of it speeks in Gilgit ,Astor ,Chilas ,Tangir Darel ,Inter Kashmir Upper Neelam and Daras valleys."(13)

اس نظریئے سے اکثریت کا اتفاق نظر آتا ہے لیکن ڈاکٹر شجاع ناموس کا خیال اس کے برعکس ہے وہ اس زبان کو ہند آریائی زبان کی ذیلی شاخ یا اس خاندان کا نہیں سمجھتے ان کے مطابق درد زبانیں آریائی ہیں لیکن ان کا ایرانی جتھے یا ہند آریائی زبانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ انہیں زبانوں کا علیحدہ گروہ قرار دیتے ہیں۔ محققین کے مطابق شینا زبان کا رسم الخط بودھی سنسکرت تھا۔ اس زبان کے قواعد اور دیگر خصوصیات کی تفصیلات آگے چل کر ابواب میں سامنے لائی جائے گی تاہم یہ بات قابل ذکر ہے کہ بودھی سنسکرت کے آثار سوائے قدیم نسخہ جات کے کہیں بھی شینا میں مستعمل نہ ہو سکے بلکہ اس کا تحریری رکارڈ اردو رسم الخط میں ہے۔ اپنے مخصوص اور اضافی لہجے کے باعث اس زبان میں ماہرین لسانیات نے بعض تہجیوں کا اضافہ کیا ہے یا ان میں علامات لگا کر ان کا لہجہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے ان ہی میں ڈاکٹر شجاع ناموس کا نام اولین نظر آتا ہے جبکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ عمل ارتقا پذیر بھی دکھائی دیتا ہے۔ آگے چل کر اسے زبان کے ماہرین نے تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا ہے

1۔ گلگتی شینا 2۔ استوری شینا 3۔ کوہستانی شینا

ا ان تینوں گروہوں میں اگرچہ بہت زیادہ تفاوت اور فرق تو نہیں ہے لیکن بہر حال کچھ امتیازات ایسے ہیں جن کی بنیاد پر انہیں مخصوص کیا جا سکتا ہے اسی جانب اکبر حسین اکبر راقم طراز ہیں:

> "شینا کی تین بولیوں میں لہجوں کا فرق واضح ہے۔ بعض الفاظ ایک دوسرے سے مختلف جبکہ بعض جملوں میں فرق آجاتا ہے کہ دوسری بولیوں والوں کو یہ سمجھ نہیں آتے۔ کوہستانی بولی کا لہجہ کرخت ہے۔ گلگتی بولی میں شستگی اور نکھار ہے۔ استوری بولی میں ملائمت ہے"(14)

شینا اپنے لسانی اور تہذیبی ورثے کی امین ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس زبان کو ترقی دینے، محفوظ کرنے اور اس کے ذریعے سے گلگت کے تاریخی ورثے کو بھی محفوظ بنانے کے لئے کاوشیں کی جارہی ہیں جن میں مقامی انجمنوں، این جی اوز اور کلچرل سوسائٹیز کا کردار حکومت کی نسبت زیادہ واضح دکھائی دیتا ہے جبکہ اکادمی ادبیات اور مقتدرہ قومی زبان نے بھی شینا زبان اور ادب پر مقامی ماہرین اور دانش وروں کی مدد سے کام کیا ہے۔ شینا کے قاعدے، لغات، ضرب الامثال، لوک کہانیاں، تراجم سمیت دیگر متعلقہ ادب کی اشاعت بھی تسلسل سے ہورہی ہے۔ لوک گیتوں، لوک کہانیوں، لوک داستانوں کا ادبی ورثہ اس زبان کے ماتھے کا جھومر ہے۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ اس زبان کو معدوم ہونے سے بچانے کے لئے مقامی ادبا کمربستہ ہیں۔ شینا لینگوئج اینڈ کلچر پروموشن سوسائٹی کی جانب سے بنائی گئی شینا ورک بک بھی ایک مفید تخلیق ہے جس میں زبان کے شوقین افراد کو رہنمائی مل سکتی ہے۔ اپنی لسانی خصوصیات کے باعث یہ زبان غیر ملکی ماہرین لسانیات کے لئے ہمیشہ سے دلچسپی کا باعث رہی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ شینا پر اولین یا ابتدائی تحقیق کا آغاز غیر ملکیوں نے کیا۔ پروفیسر عثمان اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں:

> ''شینا زبان کو بین الاقوامی سطح پر متعارف کرانے اور اسے حرف وصوت کی خوبیوں سے مزین کرنے کے لئے یورپین ماہرین السنہ نے بہت بڑا کام کیا ہے ان میں سے کچھ نے تحقیقی کی غرض سے جبکہ کچھ نے امور جہان بانی کو سہل کرنے کے لئے حکومتی اشاروں اور احکام پر شینا زبان کی پرداخت پر توجہ دی حکومتی پالیسی کی تحت انگریزوں نے ۱۹۰۴ سے ۱۹۴۷ تک شینا، سیکھنے، پڑھنے اور بولنے کے لئے منظم کوششیں کیں۔ فریڈرک ڈریو نے ان شمالی علاقوں میں دس سال گزارے اور اپنی کتاب '' دی جموں اینڈ نئیر ٹریٹری'' ۱۸۷۵ میں شائع کی''[15]

iii۔ بلتی زبان: بنیادی خدوخال اور خصوصیات

بلتستان میں رہنے والی قدیم قوم کو بلتی کہا جاتا ہے اور اسی قوم کے نام کے عین مطابق ان کی زبان بھی بلتی کے نام سے معروف ہے۔ بلتی زبان نہ صرف بلتستان بلکہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں بولی جاتی ہے اور یہ وہ علاقے ہیں جو عظیم تبتی ریاست کا حصہ تھے اور انہیں تبت خورد کہا جاتا تھا۔ محمد عباس کاظمی کے مطابق معمولی نوعیت کی تبدیلیوں کے ساتھ یہ زبان دنیا کے اور بھی کئی ممالک میں رائج ہے اور ان علاقوں کے لوگوں کی بول چال کی زبان ہے:

"بلتستان کی زبان بنیادی طور پر تبتی ہے اور یہ زبان یہاں کے علاوہ لداخ، بھوٹان ، سکم، ریاست مستانگ، نیپال کے شرپا علاقوں، تبت اور چین کے صوبہ یونان سیچوان گانسو اور ژھینگائی میں معمولی نوعیت کی تبدیلیوں کے ساتھ بولی جاتی ہے ایک اندازے کے مطابق اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد 28 لاکھ ہے بلتستان میں یہ زبان فارسی اور عربی کے اثرات سے بہت متاثر ہوئی یہاں کا رسم الخط بھی بودھی سنسکرت ہے جو کہ دیوناگری سنسکرت سے لیا گیا ہے۔ اس رسم لخط کو "اگے" کہتے ہیں ۔بلتستان میں "اگے" بوجوہ متروک ہو گیا۔"(16)

بلتستان کی آبادی میں نوئے فیصد افراد بلتی زبان میں بات کرتے ہیں اور اس زبان کو بول چال میں ابلاغ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے لیکن عین شینا کی طرح بلتی بھی تحریری رابطہ کاری کی زبان نہیں ہے اور نہ ہی بلتی زبان میں تحریری صورت میں رابطوں کی کوئی واضح مثال قدیم دور میں نظر آتی ہے۔ "اگے" کے ترک ہونے کے بعد بلتی زبان جو اثر پڑا اس پر یوسف حسین آبادی کہتے ہیں:

"تبت سے مذہبی اور روحانی تعلق کے انقطاع پر بلتی زبان نے ادبی زبان کی حیثیت سے گر کر مقامی بولی کی شکل اختیار کرلی۔ لیکن یہ حقیقت بھی تعجب انگیز ہے کہ اتنے سارے لسانی عوامل کے باوجود بلتستان کی جغرافیائی تنہائی نے بلتی کو پٹڑی سے نکلنے نہیں دیا یہی وجہ ہے کہ آج بھی تبت کی تحریری زبان کے ساتھ بلتی زبان کے ذخیرہ الفاظ کا بہت بڑا حصہ مشترک ہے۔"(17)

بلتی زبان اس دور میں اردو رسم الخط میں ہی لکھی جارہی ہے۔ اس رسم الخط کو اس لئے بھی اردو رسم الخط کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں عربی، فارسی اور ہندی کے تمام حروف تہجی کو شامل کرنے کے بعد بھی اضافی لہجوں اور تلفظ کے لئے مرکب تہجی بھی شامل ہے۔ یہ وہ زبان ہے جس کو لہجوں اور الفاظ کے تناظر میں دیکھا جائے تو نہایت منفرد معلوم ہوتی ہے۔ اپنے رسم الخط سے محروم ہونے والی اس زبان کو نئے سرے سے قاعدوں سے مزین کرنے کا بیڑہ بھی مقامی ماہرین لسانیات نے اٹھایا ہوا ہے۔ بلتی کے قواعد، حروف، اصولوں، ضرب الامثال، لغات اور دیگر لسانی پہلوؤں پر مکتوبات اور تحقیقی کام موجود ہے۔ بلتی گرامر اور بول چال کے مصنف فدا حسین غاسنگی کے مطابق بلتی میں 50 حروف تہجی ہیں ان کے علاوہ 17 مرکب حروف بھی ہیں۔ بلتی

کے قاعدہ کے مرتبین میں سے ایک محمد قاسم نسیم ہیں جو مقامی رسم الخط کو ساتویں صدی سے موسوم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بلتی زبان تبتی زبان کی ایک شاخ ہے اس کا با قاعدہ رسم الخط ساتویں صدی عیسوئی میں مکمل کیا گیا۔ سولہویں صدی تک بلتستان میں بھی بلتی زبان ہی بول چال اور تحریری دونوں صورتوں میں رائج تھی۔ بلتستان میں سولہویں صدی عیسسوی میں اسلام کی اشاعت اور ایران سے مبلغین کی آمد کے بعد یہاں فارسی زبان کو ترجیح دی جانے لگی بلتی رسم الخط کو بدھ مت کی نشانی قرار دے کر اسے ترک کر دیا گیا۔''(18)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک زبان کا رسم الخط متروک ہو جائے تو وہ زبان کس طرح اپنا وجود بر قرار رکھ سکتی ہے اور اس کے لئے کیا مشکلات پیش آسکتی ہیں تو اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ آج کے اس جدید دور میں بھی بلتی زبان کا قاعدہ، تلفظ کے اصول اور قواعد کے بعض معاملات کی گتھی درست طریقے سے اس لئے نہیں سلجھ پائی چونکہ فارسی یا اردو کے جن رسم الخط میں اس کو ڈھالا گیا ان میں کئی تراکیب کا سرے سے کوئی لہجہ موجود ہی نہیں جو لہجے کسی زبان میں از خود موجود نہ ہوں ان کو رسم الخط کے ذریعے سے بیان کرنا ناممکن حد تک مشکل ہے تاہم یہ ایک اہم پہلو ہے کہ اس کے باوجود بلتی کے احیا اور اس کو نئے سرے سے حروف دینے کے لئے اس زبان کا قاعدہ بنایا گیا۔ مقتدرہ قومی زبان نے اس قاعدے کو مقامی ماہرین کی مدد سے تیار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ جس زبان کا ادب زندہ ہو وہ زبان کبھی مر نہیں سکتی اور یہ بات بلتی پر عین صادق آتی ہے۔ بلتی ادب میں منظومات کا بیش بہا سرمایہ موجود ہے جبکہ لوک کہانیاں، داستانیں، دیومالائی قصے وہ سینہ بہ سینہ چلا ہوا ادب ہے کہ جس نے اس زبان کو زندہ رکھا جبکہ اب یہی ادب تحریری صورت میں محفوظ بھی ہو رہا ہے۔ لوک گیت، ضرب الامثال، محاورے، شاعری، قصے اور کہانیوں کا سرمایہ بھی کسی قدر محفوظ کر لیا گیا ہے اردو کی جانب بلتی کا رجحان محققین کے مطابق 1840 کے ڈوگرہ تسلط کے بعد بڑھا۔ ڈاکٹر عظمی سلیم اپنی کتاب گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ میں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں :

> ''اصل میں بلتی زبان کے حروف تہجی میں تبدیلی کا یہی نکتہ آغاز ہے۔ اس غیر شعوری کام کے نہایت دور رس نتائج سامنے آئے اور رسم الخط کے ساتھ ساتھ بلتی اہل قلم حروف تہجی کے لئے بھی اردو ہی کی طرف متوجہ ہوئے اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ بلتی زبان کی آوازیں اردو زبان سے کسی حد تک مختلف تھیں۔''(19)

عصر حاضر میں صورت حال یہ ہے کہ بلتی زبان میں شاعری کی کتابیں، قواعد اور دیگر تحقیق کے ساتھ ساتھ اردو کے امتزاج سے مزین اصناف ادب میں بھی بلتی ادب ترویج پارہا ہے جن میں افسانے ڈرامے اور فیچرز قابل ذکر ہیں۔ بلتستان میں موجود ادبی انجمنیں اور کہنہ مشق محققین نے زبان کی ترویج و اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہوا ہے۔ اگرچہ بول چال میں اب بھی بلتستان کی مقبول ترین زبان بلتی ہی ہے لیکن اس کی تحریری اشاعت کے لئے کوششوں کے باوجود بھی وہ بات نظر نہیں آتی جو اسے خواص یا اہل ادب سے اٹھاکر عوام کی تحریری زبان کا درجہ دلا سکے۔ تاہم یہ بات انتہائی حوصلہ افزا ہے کہ اہل ادب کے ساتھ ساتھ ریاستی اداروں نے بھی اس زبان کی آبیاری کے لئے عملی کاوشیں جاری رکھی ہوئی ہیں۔

iv۔ شینا اور بلتی کی ادبی روایات: اجمالی جائزہ

کسی بھی زبان اور اس کے بولنے والوں کی تہذیبی و ثقافتی ترقی سمیت اس قوم کی تاریخ و حال کو جانچنے کا معیار یا پیمانہ اس کی زبان اور ادب ہے۔ اس ضمن میں اگر عمیق مطالعہ کیا جائے تو گلگت بلتستان کی ان دونوں زبانوں کا دامن ادب کے موتیوں سے بھرا ہوا ہے۔ نثری اور منظوم دونوں حوالوں سے یہاں ادب میں ایک خاص رنگ نظر آتا ہے۔ مقامی ادب پروان چڑھ رہا ہے۔ شینا زبان کا لوک ادب یہاں کی تہذیب و تمدن سے کچھ یوں بھی مربوط ہے کہ جس سے اس زبان کے بولنے والوں کے اقدار کی عکاسی ہوتی ہے۔ دونوں کا ادب اپنی تہذِب کا ترجمان ہے۔ شینا میں منظوم ادب میں لوک گیت، غزلیات، حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، ملی نغمے اور پابند نظموں سمیت تمام اصناف نظم میں تخلیقی کام ہو رہا ہے جبکہ بلتی میں چار اصناف سخن قدیم دور سے رائج تھیں جبکہ دیگر اصناف سخن جن کا شینا کے لئے بالا سطور میں ذکر ہوا ان سب میں بلتی دادب میں بھی تخلیق کا سلسلہ جاری ہے۔ نثر کے میدان میں محدود اور کم ذخیرہ رکھنے اور کسی حد تک تاخیر کا شکار ہونے والے مقامی ادب میں لوک کہانیوں، ریڈیائی ڈراموں، مضامین، مقالے اور خطبات سمیت بعض افسانوی اصناف دستیاب ہیں سید محمود قاسم کے الفاظ:

> ”چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑوں کی جگہ پر علم کی روشنی بہت تاخیر سے پہنچی۔ پھر بھی اس زبان کے بولنے والوں کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے تحریر میں رکے بغیر اپنی زبان کو صحیح سالم رکھا ہوا ہے لطف کی بات یہ ہے کہ اس زبان کے فنی پہلوؤں پر زیادہ کام غیروں نے کیا ہے۔“(20)

جہاں تک بلتی زبان کی بات ہے تو بلتی زبان کے بولنے والوں میں ادب نوازی فطری ہے۔ بلتی کا ادب بھی شینا کی طرح ابتدا میں سینہ بہ سینہ لوک گیتوں اور کہانیوں سے چلا۔ اب اس زبان میں لگ بھگ تمام اصناف نظم جبکہ نثر میں بھی ریڈیائی ڈرامے، مضامین، افسانے، کہانیاں، فیچرز، تراجم وغیرہ کی روایت پڑ چکی ہے۔ محمد حسن حسرت مقامی ادب کو اس زبان کا اثاثہ مانتے ہیں:

> "بلتی زبان لوک ادب کے اعتبار سے ثروت مند ہے۔ جس میں داستانوں، لوک گیتوں، پہیلیوں، کہانیوں، لوریوں، کہاوتوں اور ضرب الامثال کا وافر ذخیرہ موجود ہے۔ بلتی لوک ادب کا سالہا سال تک لوگوں کے ذہنوں اور سینوں تک محدود رہا اور بہت سارا ضائع ہو گیا۔"(21)

دونوں مقامی زبانوں کا ادب اس وقت ایک ایسے سفر پر ہے جس میں مقامی تہذیب بھی ہے اور اردو سے مزین و متاثرہ اصناف و اسلوب بھی ایسے میں بعض اوقات لکھاری کے لئے مقامی رنگ کا قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن جس نے یہ امر طے مشاقی سے کر لیا وہ بہتعمدہ ادب تخلیق کرنے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ شینا اور بلتی دونوں زبانوں میں مذہبی کتب کے تراجم ہو چکے ہیں۔ شینا میں سیرت طیبہ کی کتاب کا ترجمہ "سومولو رسول" کے نام سے اکبر حسین اکبر نے کیا۔ یوسف حسین آبادی نے بلتی میں قرآن کا ترجمہ کیا۔ یہاں کا ادب متقدمین، متوسطین اور متاخرین کے تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے دونوں زبانوں کے مقامی شعرا اور اہل قلم کی بہت لمبی فہرست ہے، ادبی تنظیموں اور اکادمیوں کے قیام نے یہاں کے ادب کو مزید نکھار دیا ہے جبکہ ادب کے شعبے میں بیش بہا خدمات پر یہاں کے ادبا اکبر حسین اکبر، محمد حسن حسرت، یوسف حسین آبادی، بہادر علی سالک، قاسم نسیم سمیت کئی ایک مصنفین کو صدارتی تمغوں سے بھی نوازا گیا ہے۔

حوالہ جات

1۔ لکھنوی، مولوی حشمت اللہ، تاریخ جموں، ویری ناگ پبلشر میر پور، آزاد کشمیر، ۱۹۹۱، ص۶۷۸

2۔ Afridi Banat Gul , Baltistan in History ,Emjay books international ,Peshawar ,1998,page 8

3۔ ممتاز منگلوری، ڈاکٹر، مختصر تاریخ زبان و ادب گلگت بلتستان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۹، ص ۱۲

4۔ محمد شجاع ناموس، ڈاکٹر، گلگت اور شینا زبان، اردو اکادمی، بہاول پور، ۱۹۰۱، ص ۴

5۔ حسرت محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، بلتستان بک ڈپو، سکردو، ۲۰۰۷، ص ۲۴

6۔ محمد شجاع ناموس ڈاکٹر، گلگت اور شینا زبان، ص ۶

7۔ لوبسانگ غلام حسن، تاریخ بون فلسفہ، سگما پریس، راول پنڈی، ۱۹۹۹، ص ۱۰

8۔ حسین آبادی محمد یوسف، تاریخ بلتستان، بلتستان بک ڈپو، سکردو، ۲۰۱۵، ص ۶۶

9۔ محمد شجاع ناموس ڈاکٹر، گلگت اور شینا زبان، ص ۷۹

10۔ عظمی سلیم ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۷، ص ۲۷

11۔ حسرت محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، ص ۶۶

12۔ محمد شجاع ناموس ڈاکٹر، گلگت اور شینا زبان، ص ۵۸

13۔ شکیل احمد، لیونگ لینگو ئجز، آغا خان کلچرل سروسز پاکستان، ستمبر ۲۰۱۰، ص ۷۰

14۔ اکبر حسین اکبر، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴، ص ۶۰

15۔ عثمان علی، پروفیسر، خطہ قراقرم کی زبانیں، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۶، ص ۶۶

16۔ محمد عباس کاظمی، بلتی لوک گیت، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، اپریل ۱۹۷۸، ص ۳۲

17۔ حسین آبادی محمد یوسف، تاریخ بلتستان، ص ۳۴۹

18۔ محمد قاسم نسیم، فروغ اردو میں ذرائع ابلاغ کا کردار، اخبار اردو، ۲۰۰۳، ص ۱۷۲

19۔ عظمی سلیم ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، ص ۲۷

20۔ سید محمود قاسم، شینا زبان و ادب،، اکادمی ادبیات اسلام آباد، طبع اول ۱۹۹۹، ص ۷

21۔ حسرت محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، ص ۸۴

باب دوم:

گلگت بلتستان میں اردو: آمد و ترویج

الف: گلگت بلتستان میں اردو

i۔ گلگت بلتستان میں اردو کی آمد: تاریخی پس منظر:

یہ ایک فطری امر ہے کہ کسی بھی معاشرے میں آنے والی اقتصادی، سیاسی، مذہبی اور معاشرتی تبدیلیوں کا اثر جہاں اس معاشرے کے دیگر امور پر پڑتا ہے اسی طرح زبان پر بھی ان تبدیلیوں کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ زبان میں تبدیلیوں کے عوامل یوں تو بہت سارے ہوسکتے ہیں لیکن ان میں کچھ واضح عوامل دوسری اقوام کی بڑی تعداد کی اس خطے میں ہجرت، حکومتی تبدیلیوں کے باعث ریاستی یا سرکاری زبان کی تبدیلی، مذہبی رجحانات میں پیدا ہونے تبدیلی اور علمی یا تعلیمی وسیلہ کے طور پر دیگر زبانوں پر کئے جانے والے انحصار کی صورت میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ تبدیلیاں عوامی نوعیت کی بھی ہوسکتی ہیں اور ان تبدیلیوں کا تعلق خواص سے بھی ہوسکتا ہے، زبان پر اثرات شعوری بھی ہوسکتے ہیں اور لاشعوری اثرات کا نتیجہ بھی زبانوں میں تبدیلیوں کی صورت میں نظر آسکتا ہے۔ لسانی تبدیلیوں کے یہ اثرات رسم الخط پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ یوں کہا جائے تو بھی بے جانہ ہوگا کہ فی زمانہ ہر بڑی زبان نے چھوٹی زبان کو متاثر کیا ہوا ہے۔ عطش درانی کے مطابق ان لسانی تبدیلیوں پر باقاعدہ مطالعے، موازنے اور تحقیق کا عمل انیسویں صدی عیسوی میں شروع ہوا:

> ”لسانی تحفظ قوانین ۱۸۸۲ء میں وضع ہوگئے تھے جنہیں گرم کا قانون (Grimms law) کہا جاتا ہے۔ ورنر (Verener) کا قانون، سٹیمبو (Stambau) کا نظریہ، ویلین (Wellen) کا نظریہ اور فرڈی نینڈ ڈی ساسر نوم چومسکی (Noam Chomsky) ڈیلیک ہرسی، لیونارڈو بلوم، جارج نیکوف، ٹامی کیون، رابرٹ وین عملی لسانیات پر کام کر چکے ہیں۔“[1]

گویا یہ بات ناقابل تردید ہے کہ لسانی تغیرات پر تحقیق نہ صرف ایک اہم ترین امر ہے بلکہ اس کی اہمیت کے پیش نظر پیش رو محققین نے اس شعبے میں خاصی محنت سے کام کیا ہے۔ ہماری تحقیق بھی اس تناظر میں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے کیونکہ یہاں ہم تین زبانوں کے اس سنگم پر ہیں جس کے ساتھ ایک بڑی قوم کی تہذیب و تمدن کی جڑیں جڑی ہوئی ہیں۔ تغیراتی عوامل یعنی لسانی تبدیلی، زبانوں کا انضمام یا الفاظ کے سفر نے زیر بحث دونوں مقامی زبانوں کا حلیہ بھی کسی قدر بدل دیا ہے اور یہ بات ادب سے ثابت ہو جاتی ہے جو کہ ہماری تحقیق کے اگلے ابواب میں موجود ہے۔

شینا اور بلتی زبان کو جس زبان نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ اردو ہے اور اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس عہد تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں کہ جہاں سے اردو کے سوتے اس خطے میں پھوٹے یا یوں کہا جائے کہ جہاں سے تبدیلی نے اپنا پہلا قدم یہاں رکھا۔ گلگت بلتستان کی زبانوں کو دو واضح عوامل ایسے ہیں جنہوں نے بہت متاثر کیا:

۱۔ مذہبی نظریات کی تبدیلی ۲۔ ریاستی نظام کی تبدیلی

جہاں تک اردو کی بات ہے تو اس دلیل کے قائم کرنے میں کوئی دو رائے نہیں رہتی کہ شینا اور بلتی پر اردو کے اثرات کی وجہ مذہبی نہیں بلکہ ریاستی یا انتظامی نظام کی تبدیلی تھی۔ محققین کے مطابق اس خطے میں 1373ء میں اسلام آیا اور ایرانی مبلغین کی آمد کے ساتھ ہی یہاں کی زبانیں بھی متاثر ہوئیں اور ان پر فارسی کا رنگ غالب آگیا۔ بلتی کا رسم الخط بھی متروک ہو گیا اگرچہ یہ اس عمل کا اردو سے براہ راست کوئی تعلق نظر نہیں آتا لیکن اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ فارسی اور اردو کے اشتراک کا اثر اردو کی یہاں آبیاری میں مدد و معاون یقینی طور پر رہے ہیں۔ محمد حسن حسرت کے مطابق:

> ”چودھویں صدی عیسوی میں یہاں اسلام کی اشاعت کے ساتھ ہی عربی اور فارسی زبانوں سے آشنائی ہوئی۔ چونکہ اسلامی مبلغین میں سے اکثر کا تعلق ایران سے تھا اس لیے وہ لوگ درس تدریس اور دینی تبلیغ و ارشاد کے لئے فارسی کو ذریعہ اظہار بناتے۔“(2)

اردو کو ابتدا میں ڈوگروں نے دفتری طور پر رائج کیا اور محققین کا اس بات پر اتفاق نظر آتا ہے کہ اس خطے میں ڈوگرہ راج کے دور کو ہی ورود اردو کا دور کہا جائے گا۔ ڈوگرہ راج کا آغاز یہاں 1846 میں ہوا تھا اور تب اردو بھی ان کے ساتھ اس خطے میں پہنچی۔ سید عالم کے الفاظ:

> ”1846 کے بعد ڈوگرہ دور شروع ہوا۔ ایک سو سالہ حکومت میں پورے شمالی علاقہ جات میں اردو کی عمل داری رہی۔ سرکاری دفتروں میں سو فیصد کام صرف اردو میں ہی ہوتا تھا تاہم سرکاری عہدوں کے نام بھی اردو میں ہوتے تھے مثلاً وزیر، وزارت، محرر مال، قانون گو، محافظ خانہ، داروغہ، دیوان، کوتوال، جوں جوں دفتری کاموں سے واسطہ پڑا لوگ بھی اردو سے آشنا ہو گئے۔“(3)

اگرچہ ڈوگروں کی آمد و حکومت کے ساتھ اردو کی گلگت بلتستان آمد کو دوسرے محققین نے بھی تسلیم کیا ہے لیکن ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ بلتستان میں اردو کی آمد گلگت کی نسبت پہلے ہوئی تھی اس بات کی وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ چونکہ لیہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے 1836 جبکہ بلتستان میں 1840 میں قبضہ

مکمل کر لیا تھا اس لئے وہاں ان حکمرانوں کے قبضے کے ساتھ ہی عہد اردو کو جوڑا جانا چاہیے۔ ڈاکٹر عظمی سلیم بھی اپنی تحقیق میں اسی نتیجے پر نظر آتی ہیں:

> ''نفاذ اردو کی یہ صورت حال صرف بلتستان سے تعلق رکھتی ہے۔ گلگت پر قبضہ 1846 میں اس وقت مکمل ہوا جب گلگت کے خطے میں ڈوگرہ افواج قابض ہوئیں تو یہاں مہاراجہ گلاب سنگھ نے سرکاری سطح پر اردو کے نفاذ کو مقدم رکھا۔''(4)

ڈوگرہ راج کے اس عمل اور اس پالیسی کی تصدیق سرحد پار کے محققین نے بھی کی ہے۔ اردو کی ان خطوں پر آمد کے حوالے سے تحقیق کرنے والوں میں ایک نام رقیہ بانو کا بھی ہے۔ لداخ میں چونکہ شینا اور بلتی دونوں زبانیں رائج ہیں اس لئے وہاں اردو کی آمد کے عہد کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ رقیہ بانو اپنی کتاب لداخ میں اردو زبان اور ادب میں لکھتی ہیں:

> ''خطہ لداخ کی زبانوں پر اردو زبان کا اثر بالواسطہ یا بلا واسطہ ۱۸۴۰ کے بعد سے شروع ہوا جب لداخ پر ڈوگرہ حکومت کا تسلط قائم ہو گیا۔ مہاراجہ کو لداخ میں نظم و نسق چلانے کے لئے ملازمین کی ضرورت پڑی یہ ضرورت لداخ خطے کے انسانی وسائل سے ممکن نہ تھی کیونکہ لداخیوں کی اکثریت ناخواندہ تھی اس لئے مہاراجہ کو جموں اور شمالی ہند کے دیگر علاقوں سے ملازمین لانے پڑے جہاں تعلیم عام ہو چکی تھی اور ذریعہ تعلیم اردو تھی۔ چنانچہ ان لوگوں کے توسط سے اردو یہاں پہنچی۔''(5)

ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے اور اس امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ اردو کا داخلہ ممکنہ طور پر اس سے پہلے ہی ان علاقوں میں ہو چکا تھا لیکن اطلاق نہ تھا۔ داخلے پر ایک نظریہ یوں قائم کیا جاسکتا ہے کہ ریاست کرگل لداخ اور شمالی علاقہ جات، جموں سمیت دیگر علاقوں میں تاجروں اور سیاحوں کے گزر اور تجارتی مراسم قدیم عہد سے رہے ایسے میں کیسے ممکن ہے کہ اردو بولنے والے خطے کے لوگ یہاں سے گزرے ہوں اور ان کی زبان یہاں سنی بلکہ کسی حد تک بولی نہ گئی ہو۔ اگرچہ اس نظریے کی دستاویزی تصدیق تو کہیں سے نہ ہو سکی لیکن تاریخ دان اس امکان کو رد بھی نہیں کرتے۔ البتہ اس بات کو محققین نے متفقہ طور پر تسلیم کیا ہے کہ یہاں اردو ڈوگروں کے ساتھ آئی۔ اس حساب سے بھی دیکھا جائے تو خطہ گلگت بلتستان میں اردو پونے دو صدی کی عمر تک پہنچ چکی ہے۔ اکبر حسین اکبر اردو آمد پر راقم طراز ہیں:

> ''۱۸۴۶ میں کشمیر کی فوج گلگت آئی۔ یہ فوجی اردو کو گلگت لائے اور اہل گلگت نے ان ہی سے اردو کا پہلی دفعہ اکتساب کیا۔ سکھوں کے بعد انگریزوں کے دور میں بھی اردو یہاں کے رابطے کی زبان کے طور پر مستعمل رہی۔''(6)

اکبر حسین اکبر کی یہ دلیل اس لئے بھی قابل تسلیم ہے کیونکہ انگریزوں نے جب 1857ء کے بعد ہندوستان میں باقاعدہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو انہوں نے تب بھی اردو کے فروغ کے لئے کام کیا اور اس زبان کو رابطے کی زبان کے طور پر اہم وسیلہ بنایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہاں کے عوام کو اسی زبان کی نہ صرف سمجھ ہے بلکہ اس زبان میں خوبی یہ بھی ہے کہ یہ جلد ہی سیکھی جاسکتی ہے۔ اس تناظر میں یہی کلیہ یقینا شمالی علاقہ جات کے لئے بھی مستعمل رہا۔ انگریزوں کے دور میں ایک پیش رفت اردو زبان سے متعلق یہ رہی کہ فرنگیوں نے اسے تعلیم کا ذریعہ بنایا۔ فورٹ ولیم کالج کی مثال ہمارے سامنے واضح ہے۔ اکبر حسین اکبر کے مطابق اس بنیاد پر یہ بات قابل تسلیم بن جاتی ہے کہ انگریزوں نے یہاں اردو کے نظام کو نہیں بدلا:

> ''بعد میں انگریزوں کے دور میں بھی اردو اس علاقے میں رابطے کی زبان کے طور پر مستعمل رہی۔ اس سے قبل مذہبی زبانوں کی حیثیت سے عربی اور فارسی نے بھی شینا پر اثرات مرتب کئے تھے اس لیے ان دونوں زبانوں سے قریبی تعلق کی بنا پر اردو بولنے والوں میں اتنی سرعت سے قبول عام حاصل کیا کہ چند برسوں میں ہی علاقے میں اپنے قدم جما لیے چنانچہ انیسویں صدی کے اواخر میں گلگت میں قائم ہونے والے پہلے سکول میں ذریعہ تدریس کے طور پر اردو کا ہی انتخاب ہوا۔''(7)

یوں اردو زبان نے اس خطے میں جب اپنے قدم جمائے تو اس زبان کے زیر اثر نہ صرف یہاں کی روزمرہ بول چال آئی بلکہ ادب نے بھی تبدیلیاں اپنائیں۔ ان تبدیلیوں سے مزین اردو اور شینا اب گلگت بلتستان میں عام آدمی کی زبان ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے کسی قسم کا گہرا مطالعہ درکار نہیں کہ اب شینا اور بلتی زبان میں ایسے الفاظ کا ملغوبہ بے تحاشا ہے جو کہ اردو کے ہیں اور ایسی ترکیبات بھی ہیں جن کا تعلق اردو کے قواعد سے ہے۔ اس سطح تک پہنچنے کے لئے اردو زبان کو کس طرح ترویج ملی یہ نکتہ بھی اپنی جگہ اہم ہے۔

ii۔ گلگت بلتستان میں اردو کی ترویج

دفتری زبان:

سب سے پہلے تو یہ بات طے پاگئی ہے کہ شمالی علاقہ جات میں چونکہ اردو کی آمد سرکاری یا حکومتی تبدیلیوں کے سبب ہوئی اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج کے ساتھ آنے والی اردو کو یہاں پر نظریہ ضرورت کے تحت دفاتر میں رائج کیا گیا اس لئے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ اردو کے پھیلاو کے لئے حکومت نے خود ماحول ساز گار کیا۔ یعنی انتظامی معاملات اور ریکارڈ میں اردو کا عمل دخل براہ راست تھا اور عہدوں پر بھی دستاویزی امور اردو میں چلائے جارہے تھے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں سرکاری طور پر ہی اردو کی ترویج

ہو رہی تھی کیونکہ جن لوگوں کو امور حکومت سے سابقہ پڑتا ان کے لئے زبان شناسی ضروری تھی لہذا یہاں کے لوگ اردو کی جانب راغب ہوئے جبکہ سکولوں میں بھی تعلیم کے لئے اردو کو ذریعہ بنایا گیا۔اس ارتقائی صورت حال سے محمد حسن حسرت نے یہ نتیجہ نکالا:

> "۱۸۴۰ء میں والی جموں مہاراجہ گلاب سنگھ کی فوج نے حملہ کر کے جب بلتستان پر اپنا قبضہ جمالیا تو ان ڈوگروں کی وساطت سے بلتیوں کو قدم قدم ہندوستانی زبانوں سے سابقہ پڑا۔اگرچہ ڈوگروں کی زباں بھی خالص شستہ اردو نہیں تھی بلکہ ان کی زبان ڈوگری، پہاڑی اور کشمیری زبان کا ملغوبہ تھی۔تاہم یہاں کے سرکاری لوگ اسے ہندوستانی زبان کہتے تھے۔اور ڈوگرہ اہل کار سرکاری خطوط اسی زبان میں لکھتے تھے۔چونکہ یہ زبان اس علاقے میں اردو کی پہلی شکل تھی جو جموں اور کشمیر کے علاقوں میں پنپ رہی تھی اس لئے ہم اس کو بلتستان میں اردو ادب کا سرخیل سمجھتے ہیں۔"(8)

اس طرح سے جو زبان سرکاری طور پر لوگوں کی مجبوری بن جائے اس کی ترویج کا عمل یقینا انتہائی تیز ہو گا اور یہی بات تھی کہ اردو نے فارسی اور عربی پر غلبہ پانے میں تاخیر نہ کی۔

کاروباری مقاصد کے لئے بول چال:

شمالی علاقہ جات میں سکھوں، انگریزوں اور ڈوگروں کے ادوار میں سیاحوں اور تاجروں کی آمد بھی ہوتی تھی اور عموما موسم گرما میں یہ علاقے غیر مقامی سیاحوں اور تاجروں کی آمد کی وجہ سے ایک نئی زبان کی تشکیل کی طرف بڑھ رہے تھے جو کہ اردو کے طور پر بنیاد بنا رہی تھی۔ان سیاحوں کو اور تاجروں کو عوام الناس سے رابطے کے لئے زبان کو وسیلہ بنانا پڑتا بالخصوص تاجروں کے لئے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ انجان زبان میں لوگوں سے کاروباری معاملات طے کریں لہذا یہاں کے عوام اور ان غیر مقامیوں کے درمیان خود بخود اردو ترویج پاتی رہی اور یہ عمل ڈوگرہ دور کے بعد انگریزوں کے دور سے ہوتا ہوا قیام پاکستان سے اب تک کے دور میں داخل ہو چکا ہے۔اس پس منظر پر سید عالم کے الفاظ:

> "قیام پاکستان سے پہلے تاجر استور اور لداخ کے راستے کشمیر سے شمالی علاقہ جات آتے تھے اور یہاں پر اکثر کاروباری کشمیری اور سکھ وغیرہ تھے اس لئے کاروباری لوگوں نے کو بھی اردو کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس میں مشق کرائی گئی۔ان حالات کے باعث گلگت، سکردو اور استور کے لوگوں نے جلد اردو کو اپنالیا۔"(9)

اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ تجارتی مقاصد کے لئے زبان کی ترویج کا یہ عمل اب بھی جاری و ساری ہے۔ کاروباری حضرات کے دیگر اقوام کے ساتھ مراسم اور پھر ان کی رابطہ کاری کی زبان اب بھی اردو ہی ہے اور یہی بات اردو کی خطے میں ترویج کا وسیلہ بنی۔ گویا ایک ناخواندہ شخص بھی اس عمل کے سانچے میں ڈھل کر اردو سے واقفیت کی جانب بڑھتا ہے اور یوں اس کی نفسیات پر یہ زبان حاوی ہو جاتی ہے۔ پروفیسر عثمان علی لکھتے ہیں:

> ''ہماری تجارت اور ہمارے بیشتر معاملات اردو میں ہی سر انجام پاتے ہیں۔ خطہ قراقرم میں اب شینا کے بدلے اردو لنگوا فرینکا کا درجہ رکھتی ہے۔ آپ سکردو، گلگت، دیامر ،غذر، گانچھے کہیں بھی جائیں مقامی زبانیں نہ بھی سمجھتے ہوں۔ اردو بول کر معاملات طے کر سکتے ہیں''۔[10]

اس کاروباری ضرورت نے اب جدید شکل اختیار کر لی ہے اور ایسے کاروبار بھی ہیں جن کا اپنا انحصار ہی اردو زبان پر ہے جن میں مقامی اخبارات، ریڈیو اور ادب واضح مثالیں ہیں۔

تعلیمی ادارے:

اردو کی آمد کے بعد شمالی خطوں میں تعلیمی وسیلہ بھی یہ زبان قرار پائی۔ ڈوگرہ راج کے ساتھ جہاں سرکاری زبان یا مستعمل زبان کے طور پر آنے والی اردو زبان کو اگرچہ ابتدا میں رائج کرنا ممکن نہ ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ سکول کا وجود نہ تھا۔ محققین کے مطابق ۱۸۹۲ میں یہاں پہلا پرائمری سکول قائم ہوا۔ سکولوں کے قیام کے حوالے سے گلگت اور سکردو دونوں کا نام محققین نے لکھا ہے۔ اکبر حسین اکبر نے گلگت میں جبکہ یوسف حسین آبادی نے سکردو میں پرائمری سکول کا حوالہ اپنی کتاب میں دیا ہے:

> ''۱۸۹۲ میں ڈوگر حکومت نے سکردو میں پہلا پرائمری سکول قائم کیا۔ اس کے بعد مختلف دیہات میں سکول اور مکتب قائم کرنے کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ ۱۹۴۸ میں ڈوگرہ دور کے اختتام کے وقت بلتستان میں 10 مکتب سکول، 32 پرائمری سکول، خپلو میں ایک لوئر مڈل سکول اور سکردو میں ایک لوئر ہائی سکول کل 44 مدارس قائم تھے جن کے انتظام کے لئے ضلع لداخ سے ایک اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکول متعین تھا۔ آزادی کے بعد ۱۹۴۸ تک مزید ۲۰ پرائمری سکول کھولے گئے۔''[11]

صحافت:

اردو زبان کی ترویج کے لئے صحافت نے بھی اپنا بھرپور حصہ ڈالا ہے۔ قدیم دور کے اخبارات سے آج کے الیکٹرانک میڈیا تک یہاں اردو زبان کو میڈیا میں مضبوط وسیلہ ابلاغ سمجھا جاتا رہا ہے۔ گلگت بلتستان میں

صحافت کے تمام مروجہ شعبے فعال ہیں۔ اخبارات، ریڈیو، ایف ایم، رسائل جرائد، قومی چینلز کی رپورٹنگ، سوشل میڈیا کے چینلز اور اشتہاری صنعت ابلاغ سب میں اردو نمایاں ترین ہے۔ اردو کی آمد کے ادوار میں اگرچہ یہاں شعبہ صحافت اس طرح فعال نظر نہیں آتا لیکن چند عشروں کے بعد یہاں نہ صرف اردو کے اخبارات طبع ہوئے بلکہ چھاپہ خانہ بھی کھولا گیا۔ شیر باز علی برچہ اولین چھاپہ خانے کو گلگت بلتستان میں لسانی انقلاب کا نتیجہ قرار دیتے ہیں :

> "1970 میں پہلی دفعہ چھاپہ خانہ قائم ہوا۔ گلگت بلتستان میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کوشش تھی۔ یہ چھاپہ خانہ گلگت پرنٹنگ پریس کے نام سے قائم ہوا۔۔۔ اب ماحول قدرے سازگار ہوا تو "صدائے بلتستان" اور "بادشمال" اور "بے باک" جیسے رسائل مِس مقامی سیاسی و سماجی سرگرمیوں کو جگہ مل گئی۔[12]

اسی طرح ریڈیو پاکستان نے فروغ اردو میں بہت توانا اور اہم کردار ادا کیا۔ اس ادارے نے اردو کی ترویج ریڈیائی لہروں کے ذریعے گوشے گوشے میں کی۔ 1949 میں بلتستان میں پہلا ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا اس ریڈیو اسٹیشن کے قیام سے قبل بھی اسلام آباد ریڈیو اسٹیشن کی نشریات یہاں سنی جاتی تھیں۔ اسی طرح فی زمانہ آنے والی تبدیلیوں نے اس خطے میں فروغ اردو کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان ٹیلی ویژن کی نشریات نے طویل عرصے تک یہاں کے عوام کو اردو کی رغبت دلائی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ یہاں مقامی سطح پر بھی میڈیا کی زبان اردو ہے۔ گلگت بلتستان میں چھپنے والے اخبارات اردو میں چھپتے ہیں۔ روزنامہ کے ٹو، بادشمال، سلام، صدائے گلگت، بیدار، ترجمان، محاسب، اوصاف سمیت کئی دیگر اردو کے اخبارات یہاں شائع ہوتے ہیں۔ گلگت بلتستان کے سینئر صحافی محمد حسین آزاد کے مطابق:

> "شعبہ صحافت میں اردو کو یہاں صحافتی صنعت نے قبولیت دی جبکہ اردو نے اس خطے کو زبان سے روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ عہد قدیم سے اب تک گلگت بلتستان کی صحافت اردو کی تابع رہی ہے اور اس کی وجہ یہاں کے قارئین اور پڑھے لکھے طبقے کی اردو کی جانب رغبت ہے۔ یوں اردو کے لئے صحافت نے ترویج کا اہم بیڑہ اٹھایا جبکہ لوگوں کو باخبر رکھنے کے لئے اردو نے مضبوط ترین سہارے کی زبان کا اعزاز حاصل کیا۔"[13]

صحافت سے منسلک دیگر ضمنی شعبوں نے بھی اردو کی ترویج میں یقیناً اثرات مرتب کئے تاہم ان کا مفصل ذکر ہمارا مقصود نہیں ہے کیونکہ شعبہ صحافت کے زمرے میں ان تمام پہلوؤں کو سمویا جاسکتا ہے۔

ادبی اکیڈمیاں یا تنظیمیں:

گلگت بلتستان سمیت کرگل لداخ میں فروغ اردو کے لئے ادبی اکیڈمیوں کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ ادب کسی بھی زبان کو کسی خطے میں رائج کرنے یا اس کی ترقی کے لئے محرک بنتا ہے اور یہ عمل گلگت بلتستان میں بھی نمایاں ہے کہ جہاں کے لوگوں کا مذاق ادب آشنا ہے۔ اکبر حسین اکبر کی تحقیق کے مطابق گلگت میں 70 کی دہائی میں باقاعدہ ادبی تنظیم کی بنیاد پڑی تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے قبل اردو لکھنے یا اس میں تخلیقی ادب کو فروغ دینے والے نہ تھے البتہ ان کے لئے پلیٹ فارم کا قیام کب عمل میں آیا اس کا جواب اکبر حسین اکبر نے اپنی کتاب میں اس طرح دیا ہے:

> " 1977 میں ناردرن ایریاز سوشل اینڈ کلچر ایسوسی ایشن کے نام سے پہلی ادبی تنظیم قائم کی۔ اس تنظیم کے قیام سے گلگت میں علمی اور ادبی سرگرمیوں کے لئے پہلی دفعہ ایک پلیٹ فارم میسر آیا۔ 1985 میں اس تنظیم کا نام بدل کر قراقرم رائٹر فورم رکھ دیا گیا فورم کے صدر مرحوم جناب غلام محمد بیگ تھے۔ اس فورم کے زیر اہتمام وقتاً فوقتاً علمی مجالس کا انعقاد ہوتا رہتا ہے جہاں مقامی لکھنے والوں کو مختلف علمی و ادبی موضوعات پر لکھنے کا موقع ملتا ہے۔"(14)

ادبی تنظیموں کا قیام اس بات کی از خود دلیل ہے کہ یہاں اہل ادب نے اردو ادب کی ترویج اور تخلیق کا کام شروع کر رکھا تھا۔ یوں بھی یہ خطہ اہل ذوق سے بھرا ہوا تھا اور اب بھی یہی حال ہے کہ یہاں پر مقامی سطح پر ادب کی ترویج سرکاری سرپرستی اور حوصلہ افزائی نہ ہونے کے باوجود ترقی پذیر ہے۔

ب: شینا اور بلتی پر اردو کے اثرات اور محرکات

i۔ شینا اور بلتی زبان پر اردو کے اثرات: اسباب و محرکات

گلگت بلتستان سے متعلق یہ تو طے ہو چکا کہ یہاں اردو کی آمد کے بعد اس کا اطلاق سرکاری مقاصد کے لئے رہا ہے تاہم اس ضمن میں اردو کی اپنی جاذبیت خاصیت، اس زبان میں موجود لسانی محاسن کو بھی مد نظر رکھنا ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے یہ زبان ایک ناواقف معاشرے میں اپنی شناخت بنا گئی۔ اس حوالے سے ہمیں اس قدیمی مسلمہ کلیے کو بھی ماننا ہو گا کہ جس میں زبانوں کو دو اقوام کے باہمی تعلقات کے بعد ذریعہ اظہار کا درجہ مانا گیا ہے۔ اسی تناظر میں ڈاکٹر اشرف کمال لکھتے ہیں:

> "زبان اور تہذیب و تمدن کا ارتقا قوموں کے باہمی اختلاط اور ارتباط سے نئے رنگوں میں ڈھلتا رہتا ہے۔ انسانی فطرت تبدیلی چاہتی ہے اور یہی تبدیلی ترقی کا باعث بھی ہوتی ہے۔ تہذیب و تمدن زبان پر فاتح و مفتوح کے رشتے سے زیادہ اثرات مرتب

ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ تاجر ،سیاح ،مذہبی تبلیغ کرنے والے ، خانہ بدوش ،فقرا،اولیا، تہذیب تمدن ،ثقافت اور زبان کے اثرات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے میں اہم کردار ادا کرنے کے حامل ہوتے ہیں۔"(15)

اسی تناظر میں جب ہم گلگت بلتستان کی مقامی بولیوں پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان زبانوں پر مذکورہ تمام عوامل کا کچھ نہ کچھ اثر رہا ہے اور اس لئے ان زبانوں پر براہ راست ایسی تبدیلیاں رونما ہو گئیں ہیں جنہیں بعد میں ادب میں بھی عین اسی طرح جگہ ملی۔ رہی بات کہ وہ کیا اسباب تھے کہ جن کی وجہ سے اردو کی یہاں تیزی سے ترویج ہوئی تو ان میں سب سے زیادہ نمایاں اسباب ذیل دکھائی دیتے ہیں:

سرکاری سرپرستی:

اردو زبان نے نہ صرف شینا بلتی بلکہ اس خطے کی ہر مقامی زبان کو متاثر کیا ہے۔ قدیم دور سے آج تک اس خطے میں مقامی بولیوں اور زبانوں کو نظر انداز کرنے کے ساتھ ساتھ اردو کی سرپرستی میں سرکاری اداروں کا عمل دخل واضح ہے۔ یعنی تعلیمی ادارے ہوں یا قومی میڈیا، دفاتر ہوں کہ نجی کاروباری مراکز، گلی محلے کی سطح کا عام اشتہار ہو یا سرکاری و ادبی مواد ان سب میں جس زبان کو وسیلہ بنایا گیا وہ بلاشبہ اردو ہی ہے کیونکہ اس زبان کی دانستہ غیر دانستہ سرپرستی از خود سرکار ہی کر رہی ہے۔ ڈوگرہ اور انگریز عہد میں تو اردو کی سرکاری سرپرستی کتابوں سے ثابت ہے۔ سید عالم اپنی کتاب شمالی علاقہ جات میں اردو میں لکھتے ہیں:

"حقیقت میں 1857 کی جنگ آزادی اردو کی ترویج کا ایک موثر سبب بن گئی۔ وہ یہ کہ انگریزوں نے تحریک آزادی کو زیر کرنے کے لئے گلاب سنگھ سے فوجی امداد کی خواہش ظاہر کی۔ اگرچہ 1887 میں گلاب سنگھ اپنے بڑے بیٹے کے حق میں دستبردار۔۔۔ اہل کشمیر نے بھی آہستہ آہستہ اردو کو اپنا لیا۔ اس طرح گلگت بلتستان میں بھی اردو ڈوگرہ دور میں شروع ہوئی یہاں کی زبانیں شینا، بلتی اور بروشسکی ہیں۔ ان علاقوں میں ڈوگرہ راج قائم ہونے کے بعد انتظامی امور چلانے کے لئے جو ملازمین آئے ان کا تعلق جموں کشمیر سے تھا چونکہ مقامی لوگ تعلیم کے لحاظ سے کم تھے۔ ان میں اردو کے شاعر امین حزیں، مولوی محمد حسن، حشمت اللہ خان اور ماسٹر غلام حیدر قابل ذکر ہیں۔"(16)

سرکاری مقاصد کا یہ سلسلہ صرف ڈوگرہ کے دور میں نہیں رہا بلکہ ہنوز چلا آرہا ہے۔ پاکستان کے قیام کے ایک سال کے اندر اندر گلگت بلتستان نے آزادی لی اور پاکستان کے ساتھ الحاق کیا تو اس کے بعد یہاں قومی زبان کے طور پر اردو کو نہ صرف رائج کیا گیا بلکہ اس زبان کو وسیلہ اظہار بنا کر ادارے بھی تشکیل دیئے گئے ان

میں ریڈیو اسٹیشن پاکستان واضح مثال ہے۔ گلگت اور سکردو دونوں کے سرکاری ریڈیو اسٹیشنوں نے ترویج اردو اور زبان کے پھیلاو کے لئے مضبوط میڈیا کا کردار ادا کیا ہے۔ ان اداروں کے پروگراموں کے سامعین بتدریج اردو کی جانب راغب ہوتے گئے اور ان کا لسانی تعلق اردو کے ساتھ استوار ہونے لگا۔ مقامی زبانوں پر اردو بطور قومی زبان حاوی ہوتی گئی اور یوں مقامی زبانوں کی نسبت لوگوں کا رجحان اردو کی جانب تیزی سے گامزن ہوا۔ زبان کی نوعیت بدلی اور ادب پر بھی اثر پڑا اس لئے دکھائی دیتا ہے کہ اردو زبان کی آمد کے بعد اردو کو ملنے والی سرپرستی نے مقامی زبانوں کو باقاعدہ ٹارگٹ کیا اور یوں ایک نفسیاتی برتری کے ماحول میں اردو پنپتی رہی۔ یہاں ہمیں Language shift کی تھیوری کے فارمولے کو بھی ذہن میں رکھنا ہو گا۔ یعنی بڑی زبان ویسے ہی کسی چھوٹی زبان کو متاثر کرتی ہے اور بڑی زبان کہلانے کا ایک پیمانہ اس کا ادبی طور پر ضخیم ہونا بھی ہے۔ اس تناظر میں چھوٹی زبانوں کے بڑی زبانوں میں انضمام پر انگریزی محقق اینی کینڈلر اور جیمز سیکی یوں اپنی تحقیق بیان کرتے ہیں:

> ''Most of the recent language extinction events are caused by language shift rather than the extinction of the population speaking this language.. Language shift is the process whereby members of a community in which more than one language is spoken abandon their original vernacular language in favor of another. Especially in language contact situations, people are confronted with choices about which language to speak. Processes of globalization, urbanization, and long-distance economic migration, have led to increased interactions between groups speaking different languages, and therefore to a need of a common language of communication.'' (17)

یہی سبب ہے کہ اردو اب اس خطے کی سب سے بڑی زبان ہے جو لکھنے اور سرکاری رابطہ کاری کے لئے بھی ذریعہ اظہار ہے۔

اردو کے لسانی محاسن:

اردو نے اپنے لسانی محاسن کے باعث بھی شینا اور بلتی کو گلگت بلتستان میں خصوصی طور پر متاثر کیا ہے۔ یہ زبان لسانی خدوخال یعنی لہجے، صوت، تلفظ اور الفاظ کے لحاظ سے بھی شینا اور بلتی زبان بولنے والوں کے لئے قابل قبول زبان ہے۔ بلکہ اردو اور شینا میں قواعد کا یہ پہلو بھی مشترک ہے کہ دونوں زبانوں میں فعل کی تذکیر و تانیث ممکن ہے۔ واحد جمع کا اطلاق بھی افعال پر ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر جملہ سازی کے دوران تبدیلیاں بھی ممکن ہیں۔ شینا اور بلتی دونوں میں ہی اضافی لہجے اور تلفظ موجود ہیں جبکہ اردو میں موجود تلفظ سو فیصد شینا اور بلتی میں پہلے سے ہی موجود ہیں۔ بلتی اگرچہ قواعد کی رو سے اردو سے کچھ مختلف ہے کیونکہ اس زبان میں بے جان کی تذکیر و تانیث کا تصور نہیں اور نہ ہی اس میں لازم اور متعدی افعال کے تناظر میں جملوں

کی مطابقت کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ زبان انگریزی کی طرح بے جان افعال کی تذکیر و تانیث اور واحد جمع سے مبرا ہے۔ تاہم اس کے باوجود اس زبان نے بھی اردو کے اثرات کو نہ صرف قبول کیا بلکہ اپنے رسم الخط سے محروم ہونے کے باوجود اس زبان نے اردو رسم الخط کو بعض تبدیلیوں اور اضافی قواعد کے ساتھ جاری رکھا ہوا ہے تاہم اس میں اب بھی بہتری کی گنجائش موجود ہے۔ ڈاکٹر عظمی سلیم کے مطابق:

> ''اردو زبان کی اثر پذیری نے برصغیر کے ہر خطے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ اس زبان کی فطری خوبی ہے کہ ہر علاقے میں پہنچنے کے بعد اس نے وہاں کے الفاظ کو اپنے اندر سمولیا۔ اس کے بعد اپنی غیر معمولی خوبیوں کی بناہر ان علاقوں میں پھیل گئی۔''(18)

یہاں تحقیق سے ایک نہایت اہم اور دلچسپ پہلو یہ نکلتا ہے کہ راقمہ نے جس طرح لکھا ہے کہ اردو کے اندر دوسری زبانوں کے سمونے کی گنجائش زیادہ ہے تاہم بلتی اور شینا کے معاملے میں صورت حال برعکس نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہاں ان مقامی زبانوں میں واضح طور پر اردو کے الفاظ سمائے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ شینا اور بلتی زبان میں اب جس طرح اردو کے الفاظ رائج ہیں اور ادا کئے جاتے ہیں ان سے ایسا ماحول ملتا ہے کہ جیسے کہ یہ الفاظ از خود بلتی یا شینا کے ہی ہوں۔ یہ بات بھی اپنی جگہ قابل ذکر اور اہمیت کی حامل ہے کہ اردو ان علاقوں میں رابطے کی زبان بھی ہے اور جو زبان رابطے کی بن جائے اس کو عوام اور خواص یعنی اہل ادب میں بہت جلد جگہ مل جاتی ہے۔ حبیب کیشوی نے بھی رابطہ کاری کے اس رشتے کو مانا ہے :

> ''کشمیر میں کشمیری زبان بولی جاتی ہے۔ جموں وغیرہ میں ڈوگری زبان بولی جاتی رہی ہے مگر یہ لکھنی مشکل تھی کیونکہ ڈوگری زبان کا رسم الخط مہاجنی رسم الخط سے ملتا جلتا ہے اور مشکل بھی ہے۔ کشمیر میں کشمیری بولی جاتی تھی جموں میں پنجابی، گوجری اور ڈوگری کا رواج تھا اس طرح گلگت بلتستان میں جہاں کی ریاستیں شینا اور بروشسکی اور لداخی تھیں اردو رابطے کی زبان بنتی چلی گئی۔''(19)

تحقیق کے دوران معلوم ہوا کہ اس اثر پذیری اور قبولیت کے ماحول سے آج مقامی ادب استفادہ کر رہا ہے۔ اس نکتے کی آگے کے ابواب میں تفصیل پیش کی گئی ہے۔

شینا اور بلتی پر فارسی عربی کا اثر:

یہاں یہ پہلو ایک دلچسپ مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے کہ اردو کو اس کی اصل کی بنیاد پر دیکھا جائے تو یہ زبان از خود فارسی اور عربی کے زیر اثر ہے اور اردو زبان کا بہت بڑا حصہ فارسی اور عربی الفاظ سمیت ان زبانوں کے قواعد، ادبی اصناف، اسلوب اور لسانیات کے دیگر محاسن سے مزین ہے۔ اب دوسری جانب دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ گلگت بلتستان میں اسلام کی آمد کے بعد یہاں فارسی اور عربی کا یوں سلسلہ چل پڑا تھا کہ

یہ علاقے پہلے سے ہی فارسی اور عربی کے زیر اثر تھے اور یوں یہاں کی مقامی زبانوں نے فارسی اور عربی کا اثر اردو پہلے قبول کیا اس طرح اردو کو قبولیت جلدی ملنے کا سبب بھی یہی دو زبانیں ہیں جن کو گلگت بلتستان میں مقدس زبانوں کا درجہ حاصل تھا۔ اردو کی آمد سے قبل ہی یہاں داستان، مرثیہ، غزلیات، لوک گیت، مناقب ، قصیدے اور قصہ گوئی رائج تھی۔ محمد حسن حسرت لکھتے ہیں:

> ''ایرانی مبلغین جب اپنے ساتھ فارسی اور عربی زبانیں لے کر آئے تو یہ زبانیں جنوبی ایشیا کے سماج پر چھا گئیں۔ جس طرح بر صغیر پاک و ہند اور وسط ایشیا کے ملکوں میں فارسی کا دور دورہ تھا اس طرح گلگت بلتستان میں بھی فارسی نے غلبہ حاصل کیا۔ چنانچہ راجاوں کے فرمان، ہبہ نامے، خطوط وغیرہ فارسی میں لکھے جاتے تھے۔ نیز کاروباری لین دین کی یاداشتیں بھی فارسی میں لکھی جاتی تھیں۔۔۔ اس لئے ہم اس کو بلتستان میں اردو کا سرخیل سمجھتے ہیں۔''(20)

لہذا ذخیرہ الفاظ، رموز او قاف، اصناف ادب، فکری رجحانات، موضوعات اور اسلوب میں شینا اور بلتی کو جو ماحول پہلے ہی فارسی اور عربی سے حاصل تھا اسی ماحول کو اردو نے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کو عام فہم اور مزید سہل بنانے کی راہ ہموار کی۔ بلتی رسم الخط کے محقق میجر ریٹائرڈ فچو اقبال اپنی کتاب میں لکھتے تبلیغ دین کو لسانی تغیرات کا سبب اولین قرار دیا:

> ''مذہب اسلام کی تبلیغ میں ان بزرگان دین کا جو یا تو کشمیر کے راستے ان علاقوں میں وارد ہوئے یا وسط ایشیا افغانستان اور ایران سے یہاں آئے بڑا حصہ ہے۔ ان مبلغین کی زبان فارسی ہی تھی لہذا سب سے پہلے فارسی کا عمل دخل ہوا۔ لاماوں کے دین اسلام کو اختیار کرنے یا ان علاقوں سے فرار ہونے کے علاوہ راستہ نہ تھا۔ پس ادبی ورثہ ان کے ساتھ مفقود ہو گیا۔''(21)

قومی زبان اور ذریعہ تعلیم:

اردو کو پاکستان کو قومی زبان ہونے کے ناطے یوں تو ہر صوبے میں مقبولیت حاصل ہے اور اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں کہ قومی زبان ہمیشہ مقامی زبانوں پر غالب آتی ہے۔ اس مناسبت سے گلگت بلتستان کی کسی بھی زبان پر اردو کا اثر پذیر ہونا نا قابل فہم نہیں۔ گلگت بلتستان میں جذبہ حب الوطنی بھی قابل دید ہے اس لئے یہاں تو مملکت سے منسوب ہر پہلو کو فوری قبولیت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہاں ایک نکتہ زرا حیرت ناک بھی ہے اور وہ یہ کہ از خود اردو کی ترقی کے لئے قیام پاکستان کے بعد یہاں اوائل میں کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا بلکہ ابتدائی دو عشرے مایوس کن ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد گلگت بلتستان میں غیر مقامیوں کی آمد اور یہاں سے

مقامی لوگوں کی ملک کے دوسرے شہروں کی جانب ہجرت نے بھی مقامی زبانوں پر تیزی سے اثرات مرتب کئے۔ بطور قومی زبان جہاں ہے وسیلہ اظہار تھی وہیں اس کو وسیلہ تعلیم بھی بنایا گیا تھا۔ ماہر تعلیم اور اسکالر ذکیہ بتول نجفی کہتی ہیں:

> ''اگر چہ گلگت بلتستان کے لوگوں کی اپنی مقامی بولیاں اب بھی رائج ہیں اور ان زبانوں کی تاریخ بھی قدیم ہے مگر اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ قیام پاکستان کے بعد اردو نے ان علاقوں میں بطور قومی زبان تیزی سے اپنا اثر ڈالا جبکہ گلگت بلتستان سے نکل کر ملک کے دیگر حصوں میں جانے والے مقامی لوگ جو بلتی اور شینا زبان لے کر گئے تھے اس میں نئے ماحول نے شدید نوعیت کی تبدیلیاں پیدا کیں۔ یوں قومی زبان کا ایسا نفسیاتی دباو ذہن انسانی پر پڑا کہ اس سے جہاں اردو زبان لاشعور میں سرایت کر گئی وہیں بلتی اور شینا میں یہ خود کو ضم کرتی بھی گئی۔''(22)

اردو کو قومی زبان کے طور پر عوامی سطح پر مقبول کرانے کے لئے اس کا ذریعہ تعلیم ہونا بھی ایک ایسا اہم محرک ہے جس نے براہ راست زبان کی ترقی پر اثر ڈالا۔ آج بھی مقامی اخبارات، ادبی جرائد، رسائل، ریڈیو، ایف ایم، ادبی کتب اور دیگر اصناف و مطبوعات میں اکثریت بلکہ واضح اکثریت اردو کی ہے۔ نصاب سازی، تعلیمی اداروں میں بول چال، سوشل سائنس کے مضامین، حتٰی کہ ریاضی اور سائنس سمیت انگریزی بھی جس زبان میں قابل فہم بنائی جاتی ہے وہ اردو ہے یعنی اردو درس گاہوں میں تعلیم کے حصول کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ محمد حسن حسرت کے الفاظ:

> ''پاکستان بننے کے بعد حکومت نے تعلیمی مسائل کے حل میں جس جوش و خروش اور انہماک کا ثبوت دیا وہ قابل ستائش ہے۔ اب تو بلتستان کے طول و عرض میں سرکاری اور نجی سکولوں کا جال بچھایا گیا ہے جس کی تعداد کم و بیش بیس ہزار تک پہنچ چکی ہے سکردو میں 1966 میں پہلا کالج قائم ہوا تھا۔ اور اب خپلو، کھرمنگ اور شگر میں بھی کالج کھولے گئے ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے بھی اس علاقے میں تعلیمی میدان میں انقلاب برپا کیا ہے۔ ان تمام سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو لازمی مضمون کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔''(23)

گلگت بلتستان سے سالانہ سینکڑوں بلکہ مجموعی طور پر ہزاروں طلبا ملک کے دیگر شہروں میں تعلیم کے حصول کے لئے سفر کرتے ہیں اور دیگر صوبوں میں جاکر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ طلبا ایک نئے ماحول میں

حصول علم کے ساتھ ساتھ نئی تہذیب سے بھی واقف ہو رہے ہوتے ہیں۔ ایسے میں جو زبان ان کے لئے بقا کا ذریعہ ہے وہ اردو ہی ہے۔ اسکالر اور ماہر تعلیم ذکیہ بتول نجفی نے انٹرویو کے دوران بتایا:

> ''لوگ تعلیم کے لئے کسی بھی علاقے سے ہجرت کریں تو اپنی زبان ساتھ لے کر جاتے ہیں مگر واپسی پر دوسری زبان ساتھ لئے آتے ہیں۔ یہی بات گلگت بلتستان کے طلبا پر صادق آتی ہے۔ یہاں کے دورافتادہ اور پسماندہ علاقوں سے بڑے شہروں کا رخ کرنے والے طلبا بلتی اور شینا فہم و ادراک رکھ کر نکلے ہوئے ہوتے ہیں لیکن جب وہ کسی مخصوص تعلیمی ادارے میں حصول علم میں مشغول ہوتے ہیں تو ایک طویل عرصہ ان درس گاہوں میں گزارنے کے بعد جو تبدیلی سب سے پہلے ان کی شخصیت میں واضح دکھائی دیتی ہے وہ ان کی زبان ہے جو کہ عمومی طور پر اردو ہوتی ہے۔''(24)

ادبی مشترکات:

اردو ادب جس طرح فارسی اور عربی کے زیر اثر ہے بالکل اسی طرح بلتی اور شینا کو کئی اصناف ادب میں اردو کے تابع دیکھا جاسکتا ہے۔ اس ضمن میں ان تینوں زبانوں کا ادب ہی وہ پیمانہ ہے کہ جس کو جانچ کر کوئی رائے سامنے لائی جاسکتی ہے۔ اردو زبان کے قواعد، ضرب الامثال، کہاوتیں، شعری اوزان، صوتی ماحول، ادبی رجحانات، اسلوب، منظومات، افسانوی ادب غرضیکہ ادب کا کوئی گوشہ نہیں کہ جس نے شینا اور بلتی کو متاثر نہ کیا ہو۔ یہ اثرات ظاہری بھی ہیں اور فکری بھی۔ کہیں پر اردو نے براہ راست زبان کے طور پر شینا اور بلتی میں اپنا وجود داخل کیا تو کہیں اردو قواعد و ادب سے اثرات لے کر بلتی اور شینا نے کروٹیں بدلیں۔ ان اصناف ادب میں ایک قدر مشترک یہ ماضی میں بھی تھی کہ عربی اور فارسی کی وجہ سے بہت سی اصناف پہلے سے ہی سرایت کر چکی تھیں۔ پروفیسر عثمان علی ان مشترکات اور ان کے اثرات پر راقم طراز ہیں:

> ''گلگت اور دیگر اضلاع میں شینا، بلتی، واخی، بروشسکی پر اردو کے اثرات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو مدارس کی زبان ہے۔ اردو دفاتر کی زبان ہے۔ اردو ہمارے جمہوری اداروں کی زبان ہے، اردو ہماری لشکری زبان ہے۔ اردو ہمارے بازار کی زبان ہے۔ اردو ہمارے گلیوں میں کھیلنے والے بچوں کی زبان ہے۔ اس طرح انگریزی کے وہ الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں وہ ہماری زبانوں کا حصہ ہیں۔ ان زبانوں پر اردو کے حاوی ہونے کے واضح امکانات ہیں۔۔۔ 1947 سے اب تک جتنی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان میں چار پانچ کتابوں کے سوا سب اردو میں لکھی گئی ہیں۔''(25)

یہ صورت حال صرف شینا کے ساتھ نہیں بلکہ اس کی زد میں بلتی بھی ہے۔ بلتی زبان کے ادبی اصناف کا بھی اردو سے اتنا ہی گہرا ربط ہے۔ منظوم ادب میں تو ہمیں سوائے بعض موضوعات کے باقی تمام موضوعات اردو یا دیگر زبانوں سے مستعار نظر آتے ہیں۔ حمد، نعت، منقبت، غزل اور گیت اور ایسی ہی تمام نظمیں سوائے ڑگیانگ خلو جبکہ نثری موضوعات پر اردو حاوی ہے۔ لسانی خواص کو دیکھا جائے تو یہاں بلتی نسبتا مختلف ہے کیونکہ اس زبان کی اصل اور اس کے لسانی خدوخال اردو سے یکسر مختلف ہیں۔ اس زبان میں اردو اور شینا کے برعکس لازم اور متعدی افعال کا تصور نہیں۔ بلتی میں افعال کی تذکیر و تانیث ممکن نہیں جبکہ بے جان اسما بھی مذکر و مونث کے کلیے سے خارج ہیں۔ بلتی زبان کے نامور تخلیق کار اور لسانی ماہر محمد عباس کھرگرونگ کے مطابق اردو کے ادبی رجحان اور اشتراک سے انکار ممکن ہی نہیں:

> "بلتی زبان کی اپنی ایک تہذیب و تاریخ ہے اور اس زبان پر اردو کے جو اثرات مرتب ہوئے ان سے انکار کسی طور ممکن نہیں تاہم بادی النظر میں دیکھا جائے تو اردو از خود فارسی عربی اور انگریزی سے شدید متاثر ہے۔ اس لئے یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ تین بڑی زبانوں سے متاثرہ چوتھی بڑی زبان کے طور پر اردو نے گلگت بلتستان کو اپنے زیر اثر لے لیا اور یوں بلتی اور شینا نے اردو کی آغوش میں پناہ لے کر عربی، فارسی اور انگریزی سے بھی خود کو متاثر کر لیا ہے۔"(26)

ان عوامل کے ساتھ ساتھ موسم، آمدورفت، مخلوط معاشرہ، ادبا کی جدت پسندی وغیرہ بھی وہ ضمنی عوامل ہیں جنہوں نے گلگت بلتستان میں اردو کے لئے تیزی سے راہ ہموار کی اور اس راہ کی کشادگی کے لئے بلتی اور شینا کی سرحدیں متاثر بلکہ کسی حد تک محدود بھی کی گئیں۔

ii۔ شینا اور بلتی پر اردو کے اثرات کی نوعیتیں

اردو نے گلگت بلتستان میں مقامی زبانوں پر جو اثرات ڈالے ان کی نوعیتیں ایسی ہیں جن میں سے بعض کا اطلاق پوری طرح سے شینا اور بلتی زبان و ادب پر ہوا جبکہ بعض نے ان مقامی زبانوں میں یوں اثرات مرتب کئے کہ ان سے مقامی ادب میں اردو ادب کی آمیزش ہوئی۔ یعنی شینا اور بلتی میں بھی ایسی اصناف پر طبع آزمائی کی گئی جن پر اردو سے قبل کوئی کام نہیں ہوا تھا۔ یہ دو طرح کی نوعتیں ہیں:

۱۔ موضوعاتی تبدیلیاں ۲۔ اسلوبیاتی اثرات

موضوعاتی تبدیلیاں:

گلگت بلتستان کے ادب میں جن موضوعات کو اردو سے قبل مقبولیت حاصل تھی ان میں منظومات کی بہتات ہے۔ ان ادبی موضوعات میں اسلامی موضوعات سر فہرست ہیں۔ اردو کی آمد سے قبل بھی حمد، نعت، مدح، قصائد اور مناقب، مناجات، لوک گیت، کاشت کاری کے گیت، نغمے مقامی زبان میں تخلیق کئے جاتے تھے۔ اردو کی آمد کے بعد ان موضوعات میں نہ صرف تنوع آگیا بلکہ بعض نئے موضوعات بھی داخل زبان ہوئے جن میں ملی نغمے، عشقیہ غزلیں، اصلاح معاشرہ کے لئے مزاحمتی اور تنقیدی کلام وغیرہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان منظومات کے اندر بھی ہیئت اور فکری رجحان کی تبدیلیوں کا بھی سہرا اردو کے سر سجتا ہے۔ شینا اور بلتی دونوں کے ادب پر اردو منظوم ادب کے بھرپور اثر کے ساتھ ساتھ نثری ادب کے موضوعات پر بھی اردو نے ایسا اثر ڈالا کہ یوں کہا جائے تو حق ہو گا کہ شینا اور بلتی کا نثری ادب اگر کسی ترقی کے درجے پر ہے تو اس میں اردو کا کلیدی کردار ہے۔ افسانے، داستان، مکتوبات، مضامین، مقالے، ڈرامے، فیچرز اور دیگر افسانوی و غیر افسانوی نثری تخلیق میں اردو نے موضوعات کے نئے دروازے بھی کھولے جبکہ از خود نثر سے آشنا بھی کرایا۔ اردو نے یہاں کے ادب کو اپنے سانچے میں ڈھال کر ایک ترقی پسند ماحول فراہم کیا جس میں مقامی زبانوں کا ادب نہ صرف اپنے موضوعات میں نئی جہتیں دیکھ رہا ہے بلکہ اس میں اصناف کی بھی تبدیلیاں نمایاں ہے۔ ڈاکٹر عظمی سلیم کے مطابق:

> ''بلتی ادب پر اردو زبان کی ان تبدیلیوں کے باعث جو اثرات مرتب ہوئے ان میں ادبی موضوعات سر فہرست ہیں۔ لیکن موضوعات کی تبدیلیوں کے لئے سفر کی روایت بدھ مت سے اسلام کی جانب سفر سے شروع ہوتی ہے۔ دائرہ اسلام میں آنے سے جو واضح تبدیلی آئی تھی وہ یہ تھی کہ کہ لامہ (بدھ مت کا مبلغ) کی جگہ مسلم مبلغین نے لے لی۔ اولا مقامی ادب، بلتستان میں اسلام کے اثرات کے باعث تخلیق ہوا۔۔۔ اردو کے رائج ہونے کے بعد لوک گیتوں کا عوامی انداز سامنے آیا۔''(27)

شینا زبان و ادب کا حال بھی اس ضمن میں اسی صورت حال سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ یہاں بھی مذکورہ تمام صورت حال کا اطلاق عین اسی طرح ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ شینا اور بلتی زبان میں عہد بہ عہد بھی موضوعاتی تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں اور ان تبدیلیوں میں بھی اردو نے بنیادی محرک کا کردار ادا کیا۔ نثری موضوعات ہوں کہ منظومات جوں جوں ادب کروٹ لے رہا ہے اس کا مقامی زبان میں ترجمہ یا تجربہ بھی سامنے آرہا ہے اور شینا اور بلتی میں یہ عمل جاری و ساری ہے۔ ترقی پسند تحریک ہو کہ رومانوی ادب، مذہبی مقاصد کے لئے منظوم و منثور کاوشیں ہوں یا سیاسی مقاصد کے لئے ڈیزائن کیا جانے والا ادب پارہ۔ المیہ ہو کہ رزمیہ یا پھر طربیہ سب ہی پہلوؤں میں اردو نے ان مقامی زبانوں میں ایسے ایسے موضوعات کا دروازہ کھولا کہ اس سے ایک نیا ماحول

ابھر کر سامنے آتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مقامی زبانوں میں نہ صرف مروجہ و مشترکہ موضوعات بلکہ اردو کی ترقی کے ساتھ متعارف ہونے والے موضوعات کو بھی شامل کیا جارہا ہے۔ ان میں آزاد نظمیں، افسانے ، فکشن، نئے اوزان اور بحور اور عنوانات قابل ذکر ہیں۔ سید محمود قاسم کتاب شینا زبان ادب شینا نثر کو ریڈیو پاکستان کا کارنامہ گردانتے ہیں:

> ''یہ امر قابل ذکر ہے کہ شینا زبان میں نثر کا رواج ہی نہیں تھا۔ مگر ۱۹۴۹ میں ریڈیو پاکستان راول پنڈی سے شینا پروگرام شروع کیا گیا تو شینا نثر لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس کے بعد ڈارمے، افسانے، ضرب المثل، کہانیاں اور مختلف موضوعات پر کہانیاں لکھی گئیں۔''(28)

لگ بھگ ایک صدی کا سفر کرنے کے بعد گلگت بلتستان کا ادب اب اس مقام پر ہے کہ جہاں اس میں اردو کے ساتھ ایسا غیر اعلانیہ الحاق کیا ہوا ہے کہ جس سے عام قاری کو بھی اس نتیجے پر پہنچنے میں زرا تاخیر نہیں ہوتی کہ یہاں کا مقامی ادب اب اردو کے زیر سایا پروان چڑھ رہا ہے۔ یعنی اب جو بھی نیا تجربہ اردو میں ہو گا اس کا کچھ نہ کچھ مقامی ادب میں بھی دیکھنے کو ملے گا۔ اکبر حسین اکبر تمام لسانی پہلوؤں پر یہ اثرات مرتب ہوئے :

> ''آج اس علاقے میں اردو کی پیشرفت کا یہ عالم ہے کہ تمام مقامی زبانوں پر اس زبان نے اپنے اثرات مرتب کئے ہوئے ہیں جو کسی اور زبان نے نہیں کئے۔ ان میں تمام زبانوں سے بالخصوص شینا کی شاعری، موسیقی، نثر، عام بول چال، اس زبان سے بے حد متاثر ہوئی۔''(29)

ان موضوعات میں فی زمانہ آنے والی تبدیلیوں کے ساتھ بتدریج تبدیلی آتی رہے گی اور یہ عمل یوں ہی ارتقاپذیر رہے گا.

اسلوبی اثرات:

جب ہم نے یہاں شینا اور بلتی کے اسالیب پر اردو کا اثر شامل تحقیق کیا تو سب سے پہلے یہ سوال اٹھتا ہے کہ اسلوب کیا ہے۔ اس ضمن میں طوالت سے بچنے کے لئے براہ راست اردو اسلوب کا مختصر تعارف ڈاکٹر نصیر احمد خاں کی کتاب اسلوب اور اسلوبیات سے کچھ یوں ہے:

> ''اردو کے اسالیب میں یہی دو رجحان ملتے ہیں جن کے گرد باقی اسالیب گھومتے ہیں۔ پہلی قسم میں تشبیہوں، استعاروں اور علامتوں کا التزام، عربی و فارسی تراکیب کا نسبتا زیادہ استعمال، پیکر تراشی، قول محال اور تلازموں کی طرف خاص جھکاو، رعایت

لفظی اور معنوی کا خاص خیال اور جملوں و فقروں کی ساخت کو مقفی بنانے کی کوشش ملتی ہے ایسے اسلوب کو پر تکلف یا رنگین اسلوب کہا جا سکتا ہے۔ اسلوب کی دوسری قسم میں خاص زور ترسیل خیال پر ہے۔ زبان بامحاورہ اور روزمرہ کے قریب ہے۔ عربی فارسی کے مقابلے میں دیسی الفاظ کو ترجیح دی جاتی ہے اور تشبیہ استعاروں کا استعمال فطری ملتا ہے، اسے سادہ اسلوب کہہ سکتے ہیں۔"(30)

اس تناظر میں جب گلگت بلتستان کی زبانوں کو دیکھا گیا تو از خود یہ زبانیں اپنی ساخت میں ایسی ہیں کہ ان میں کچھ خواص قدرتی ہیں۔ بلتی اور شینا میں مخصوص لہجے اور اصوات ہیں جن کو اردو اہل زبان ادا نہیں کر سکتے لیکن اردو کے تمام لہجے اور اصوات ان دونوں مقامی زبانوں میں موجود ہیں۔ جب اردو کی ان خطوں میں آمد ہوئی تو یہاں کے لوگوں نے اس زبان کے رسم الخط کے ساتھ اس زبان کی بول چال کو قبول کر لیا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جو اضافی تلفظ بلتی اور شینا کے ہیں ان کمیوں کو کیسے پورا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے لسانی ماہرین کیا کام کر رہے ہیں وہ اگلے ابواب میں دیکھا جائے گا۔ تاہم یہ کہ اردو کی آمد کے بعد جو اسلوبیاتی اثرات ان دونوں زبانوں پر مرتب ہوئے ان میں سب سے زیادہ نمایاں وہ ادبی لہجہ ہے جو اردو کا خاصہ رہا ہے۔ بلتی اور شینا منظوم اور نثری ادب نے اس اثر کو فور قبول کیا اور اس نوعیت کا اظہار بلتی اور شینا کی شاعری کے لہجوں اور الفاظ میں برتی جانے والی رعایتوں میں دکھائی دیتا ہے۔ کرخت اور ٹھوس مزاج شینا میں لطیف اصناف داخل ہوئیں، غزل اور نغموں میں نرم رو الفاظ کو استعمال کیا جانے لگا، تلمیحات اور محاورات اور تشبیہات میں اردو کے خیال کی بہتات رہی۔ کئی ایک اصطلاحات بھی اس ضمن میں وہ ہیں کہ جو اردو سے مستعار ہیں۔ اسی طرح شینا کا لسانی ڈھانچہ بھی کسی قدر بدل گیا۔ نثر میں جن لحاظ و آداب کو برتا جانے لگا وہ بھی اردو کے رہین منت (مثالیں اگلے ابواب میں دی جائیں گی) نظر آتی ہیں. اس بدلے ہوئے لہجے کو عوام نے بھی پسند کیا۔ ڈاکٹر عظمیٰ سلیم اس ضمن میں لکھتی ہیں :

"مجموعی طور پر شینا شاعری کا جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ مقامی زبانوں میں شینا زبان نے اردو کے محاورات اور تلمیحات سے زیادہ استفادہ کیا۔ شینا شاعری میں جو تلمیحات ، محاورات ، اور ضرب الامثال ملتے ہیں وہ ہو بہو اردو کا ترجمہ کئے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ شینا زبان میں محاورات اور ضرب الامثال پر دو کتابیں اب تک شائع ہو چکی ہیں ، "سان اور سوینو مورے " نامی ان کتابوں نے دونوں زبانوں کو مزید قریب کر دیا ۔"(31)

اسی طرح اگر بلتی اور شینا دونوں زبانوں کے نثری ادب میں اردو کے اسالیب کو پرکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان زبانوں نے نہ صرف افسانوی بلکہ غیر افسانوی ادب میں بھی اردو سے اصناف لے کر ان کی ترتیب میں بھی اردو کی تقلید کی ہے۔ ڈرامہ، فیچر، افسانہ اور خبروں میں اردو کا ماحول صاف جھلکتا ہے۔ پروفیسر عثمان علی نے اپنی کتاب شینالوجی میں لکھتے ہیں کہ ''شینا زبان کی ترقی میں اردو ڈراموں نے عمل انگیز کا کام کیا۔ شینا تشبیہات، استعارات، صنائع بدائع۔ قدیم اصطلاحات زبان، روزمرہ محاورے کو ترقی ملی۔''(32)

اردو اور بلتی زبان میں جہاں قواعد کی رو سے ہم نے تفاوت کا اجمالی تذکرہ کیا وہیں ان زبانوں میں ایک دلچسپ فرق ان کی وجوہات تسمیہ کا بھی ہے۔ اردو اس کے اہل زبان کے لئے "مادری زبان" ہے جبکہ بلتی کے اہل زبان بلتی کو "پھ سکد" یعنی والد کی زبان سے موسوم کرتے ہیں۔ اس زبان کے بولنے والوں کا عمومی خیال یہ ہے کہ یہ زبان باپ کی بولی ہونے کے ناطے پھ سکد کہلائی جاتی ہے۔ تاہم اس نکتے پر بحث ہمارا موضوع نہیں۔ بلتی اور اردو کے درمیان ہونے والے ارتباط کا اثر مذکورہ بالا پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اس زبان کی عام بول چال پر بھی پڑا ہے۔ یعنی اب بلتی جس طرح بولی جاتی ہے وہ نہج بھی اردو کے زیر اثر ہے۔ عام گفتگو میں دی جانے والی مثالیں اور محاورے بھی اردو سے متاثرہ ہیں اور تو اور ازخود اردو سے کہاوتیں بلتی میں ڈھل گئی ہیں۔ لداخ میں لکھی گئی کاچو اسفندیار کی کتاب Ancient Wisdom میں جو کہاوتیں بلتی کی فراہم کی گئی ہیں ان میں سے کئی ایک اردو سے براہ راست اس زبان میں داخل ہوئی ہیں۔ مثال کے طور پر:

''" تھل پی۔تھگ نہ۔۔کنگمہ۔ہر کیونگ"

Strech your legs according to your blanket.

It means that one must se his own capacity before embarking

upon a task.it also means to know ones limit."(33)

فراہم کئے گئے حوالے کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے: "چادر دیکھ کر پاوں پھیلاو"

اردو نے اپنی آمد کے بعد بلتی زبان میں شاعری کے اسالیب بھی بدلے۔ ان میں ایک تو اوزان اور بحور کا استعمال، آزاد نظم، قطعات اور بلتی رباعیوں کا آغاز، ملی نغموں کی تخلیق، گانے اور گیتوں کا دور، حسن و عشق کی جانب تخیلات کا رخ، اردو کی طرز اور اصول پر مذہبی منظومات کی تخلیق وہ نوعیتیں ہیں جن کے باعث مقامی ادب نے اپنی راہ قدیم راستوں سے یکسر الگ کر لی ہے۔

حوالہ جات

1۔ عطش درانی، لسانی و ادبی تحقیق و تدوین کے اصول، نیشنل بک فاونڈیشن, اسلام آباد، طبع اول 2016, ص 16

2۔ حسرت محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، بلتستان بک ڈپو, سکردو، 2007، ص 125

3۔ سید عالم، شمالی علاقہ جات میں اردو، نیشنل بک کونسل پاکستان، اسلام آباد، 1999، ص 31

4۔ عظمیٰ سلیم, ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، مقتدرہ قومی زبان, اسلام آباد، 2008، ص 112

5۔ رقیہ بانو، لداخ میں اردو زبان و ادب، کشمیر یونیورسٹی حضرت بل، سری نگر، 2014، ص 131

6۔ اکبر حسین اکبر، اردو اور شینا کے مشترک الفاظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1992، ص 9

7۔ اکبر حسین اکبر، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2004، ص 71

8۔ حسرت محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، ص 126

9۔ سید عالم، شمالی علاقہ جات میں اردو، ص 31

10۔ عثمان علی پروفیسر، خطہ قراقرم زبانیں اور معاشرہ، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1996، ص 32

11۔ یوسف حسین آبادی، تاریخ بلتستان، بلتستان بک ڈپو، سکردو، طبع سوم 2009، ص 365

12۔ برچہ شیر باز علی، عکس گلگت بلتستان، نارتھ پبلی کیشن، گلگت، 2013، ص 99

13۔ محمد حسین آزاد، (انٹرویو) از عارف حسین، سکردو، 7 جولائی ۲۰۲۰، بوقت 2 بجے دن

14۔ اکبر حسین اکبر، اردو اور شینا کے مشترک الفاظ،، ص 11

15۔ اشرف کمال ڈاکٹر، لسانیات اور زبان کی تشکیل، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، طبع اول 2018، ص 74

16۔ سید عالم، شمالی علاقہ جات میں اردو، ص 30

17۔ اینی کینڈلر، Modleling languafe shift، https://www.pnas.org/content/114/19/4851، 5 نومبر 2020، 10:23pm

18۔ عظمی سلیم ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، طبع اول، 2017، ص 45

19۔ حبیب کیشوی، کشمیر میں اردو، لاہور مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1979، ص 17

20۔ حسرت محمد حسن، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، طبع اول 2004، ص 438

21۔ پھچو اقبال، اے گے، ٹی ایس پرنٹرز پنڈی، راولپنڈی، جنوری 2003، ص 7

22۔ ذکیہ بتول نجفی، (انٹرویو) از عارف حسین، اسلام آباد، 20 اکتوبر 2020 بوقت 2 بجے دن

23۔ حسرت محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، ص 130

24۔ ذکیہ بتول نجفی،(انٹرویو)از عارف حسین،اسلام آباد، 20اکتوبر,2020بوقت 2بجے دن

25۔ عثمان علی پروفیسر،خطہ قراقرم کی زبانیں اور معاشرہ،مقبول اکیڈمی انارکلی لاہور،۱۹۹۶،ص۳۶

26۔ محمد عباس کھرگرونگ(انٹرویو)از عارف حسین،سکردو،5جون2020،بوقت 10بجے دن

27۔ عظمی سلیم ڈاکٹر،گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ،ص57

28۔ سید محمود قاسم،شینا زبان وادب،اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد،طبع اول1999،ص10

29۔ اکبر حسین اکبر،اردواور شینا کے مشترک الفاظ،،ص10

30۔ نصیر احمد خاں ڈاکٹر،اسلوب اور اسلوبیات،پورب اکادمی،اسلام آباد،2013،ص68

31۔ عظمی سلیم ڈاکٹر،گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ،ص77

32۔ عثمان علی پروفیسر،شینالوجی،گلگت عثمانی کتب خانہ،گلگت،1991،ص137

33۔ کاچو اسفندیار، Ancient Wsidom،ال فجر پرنٹنگ پریس لداخ بھارت،لداخ،طبع سوم2003،ص4 2

شینا اور بلتی پر اردو کے لسانی اثرات

الف: شینا اور بلتی پر اردو رسم الخط کے اثرات

i۔ شینا اور بلتی کا قدیم رسم الخط :

رسم الخط کسی بھی زبان کی نہ صرف پہچان بلکہ اس کے تحفظ کی اساس بھی ہے۔ گلگت بلتستان کی دونوں بڑی زبانوں شینا اور بلتی کو اپنے اپنے قدیم رسم الخط کے حوالے سے اگر ہم تاریخ کو اٹھا کر بات کریں تو سوائے کچھ مبہم اور دھندلے نقوش کے ابتداء میں کچھ واضح عکس دکھائی نہیں دیتا اور اس دھندلے پن کی وجہ قدما کے دور میں تحقیقی رواج کا نہ ہونا ہے۔ اس کے باوجود یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ بلتی زبان کا رسم الخط "اگے" تھا جو کہ دیکھنے میں دیوناگری سے کسی حد تک مماثلت رکھتا ہے جبکہ شینا کے بارے میں محققین نے اگرچہ بہت واضح تو کوئی رائے نہیں رکھی لیکن اس بات پر متفق ہیں کہ شینا کا رسم الخط قدیم دور میں بودھی سنسکرت رہا ہے۔ اگرچہ یہ دونوں رسوم الخط بتدریج اور ارتقائی ادوار کے ساتھ ساتھ متروک ہوگئے اور ان کی جگہ فارسی نستعلیق اور بعد میں اردو کے موجودہ رسم الخط موجودہ مروجہ رسم الخط نے لے لی۔ شینا زبان کے قدیم رسم الخط کے بارے میں ڈاکٹر ممتاز منگلوری لکھتے ہیں:

> ”ورود اسلام سے قبل شینا کا رسم الخط بودھی سنسکرت تھا۔ بارھویں صدی عیسوی میں اسلام کا ورود ہوا۔ اس کے اثرات زندگی کے ہر شعبے پر ظاہر ہونے لگے اور بودھی سنسکرت کی بجائے فارسی رسم الخط کا فروغ ہو“[1]

محققین نے اس بات کا تواتر سے اقرار کیا ہے کہ سنسکرت ہی شینا کا اولین یا قدیمی رسم الخط رہا ہے تاہم اس ضمن میں ایسی کوئی ادبی یا واضح دستاویزی ثبوت دستیاب نہیں جسے تفصیل کے ساتھ پرکھا جاسکے البتہ کتبوں، مخطوطوں اور کھنڈر سے نکلی بعض نشانیاں موجود ہیں۔ یہاں یہ مقصد بھی نہیں کہ سنسکرت کا انکار کیا جائے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ صرف یہ سمجھا جائے کہ سنسکرتی رسم الخط میں لکھے جانے کے باوجود اس زبان کی آبیاری کے لئے اس دور میں کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا۔ ابتدائی رسم الخط سے متعلق ڈاکٹر عظمی سلیم تصدیق کرتی ہیں کہ:

"اس زبان کی تاریخ "Gilgit Manuscript "نامی اس قلمی دستاویز سے شروع ہوتی ہے جو ۱۹۳۸ کی کھدائی میں گلگت نوپورہ گاوں سے دریافت ہوا اس کا رسم الخط بودھی سنسکرت ہے تاہم یہ رسم الخط اس قلمی نسخے تک محدود رہا ہے۔"(2)

اس تناظر میں یہ بات ذہین نشین رکھنا ضروری ہے کہ شینا کا اولین رسم الخط بودھی سنسکرت کہلایا تو جاتا ہے مگر اس رسم الخط میں کوئی تفصیلی دستاویز فراہم نہیں ہو سکیں نہ ہی اس ضمن میں پیش رو محققین نے کوئی ایسا عملی نمونہ پیش کیا ہے کہ جس کو مستند ترین حوالہ کہا جاسکے لیکن یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ آیا بودھی سنسکرت کے بعد شینا کس زبان میں لکھی گئی؟ اگرچہ تاریخ کے بلکہ تحقیق کے ابواب اس ضمن میں خاموش ہیں مگر چونکہ ہم ابتدائی ابواب میں ماہرین لسانیات کی تاریخ سے ثابت کر چکے ہیں کہ شینا آریائی زبانوں کی دارد شاخ ہے اس لئے اس زبان کے رسم الخط پر اسی اصول یا کلیے کا اطلاق ہو گا جو کہ آریائی زبانوں پر رائج ہے۔ لہذا ہند آریائی زبانوں کے رسم الخط پر تاریخ اقوام دردستان و بلورستان کے محقق عبد الحمید خاور نے یوں لکھا ہے:

"300 ق م ماہرین القواعد نے قدیم سخت و کرخت الفاظ کو کوسانچے میں ڈالا اور اس زبان کا نام سنسکرت یعنی پاک شدی زبان رکھا گیا۔ اس طرح عوام کی بول چال سے اسے ممیز کیا گیا اور باقی بولیوں کو پراکرت کے نام سے پکارا گیا۔ پراکرت کے معنی خودرو کے ہیں اب سنسکرت مذہبی اور بالائی طبقے والوں کی زبان بن گئی۔"(3)

اس ضمن میں یہ بات اہم ہے کہ شینا زبان پر دانستہ تحقیق مغربی محققین نے شروع کی اور اس تناظر میں ابتدائی تحقیق کی کڑیاں انیسویں صدی میں ملتی ہیں۔ انگریز محقق Carla F Radllof کی کتاب "Aspects sound system of Gilgiti Shina" میں اس محقق نے شینا زبان کے ابتدائی حصے پر یوں تبصرہ کیا ہے:

"The attention of western academia has been drawn to the Shina language at various times in the last century and a half.Leitner probably popularised the Shina language (and 'Dardic" people in general) more than other early writers as he published various samples of the language in his circa 1880 book and other , earlier publications ."(4)

بودھی سنسکرت کے متروک ہونے کے بعد یہ زبان کس حال میں رہی اس کا تحریری ریکارڈ دستیاب نہیں تاہم استناطے ہے کہ ڈوگروں کی آمد کے وقت شینا میں رسم الخط یا تہجی کے معاملات زوال پذیر تھے اور یہی وجہ ہے کہ اس دور میں شینا کی تحریر ممکن نہ ہو سکی تھی۔ اس بات کی تصدیق شمالی علاقہ جات کے انسائیکلو پیڈیا سے ہو جاتی ہے۔ یہ معلوم بھی ہو جاتا ہے کہ شینا لکھنے کی پہلی باضابطہ کوشش ڈوگروں کی آمد کے بعد ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا کے مطابق:

> ''شینا زبان کا اب تک مسئلہ متفقہ حروف تہجی کی عدم دستیابی ہے۔ اس لئے یہ زبان تحریری ادب سے محروم ہے، بہت پہلے شینا لکھنے کی انفرادی کوششیں ہوتی رہیں۔ محققین کے مطابق پہلی کوشش ۱۸۹۴ میں امیر سنگھ نائب مہتمم بندوبست نے رپورٹ بندوبست مرتب کرتے وقت کی تھی۔ اس نے مختلف اشیا کے نام اور کچھ لوک گیت ضبط تحریر کئے لیکن وہ اپنی کوششوں میں کامیاب نہ ہو سکا۔''(5)

محققین کے مطابق آمد اسلام کے بعد یہاں جو مذہبی اثرات ظاہر ہوئے اس سے متاثر ہو کر شینا نے فارسی رسم الخط کو اپنایا۔ اس بات کی تصدیق سید کاشف کی کتاب پاکستانی زبانیں میں ان الفاظ میں اس بات کی تصدیق کرتے ہیں :

> ''شینا ایک قدیم زبان ہے جو ہزاروں سال سے بولی جارہی ہے مگر یہ حیران کن امر ہے کہ بیسویں صدی تک شینا کو کوئی رسم الخط یا حروف تہجی نہیں تھے۔ پرانے چٹانی کتبوں ، مخطوطوں، چھال پر شینا زبان کی جو تحریریں ملی ہیں وہ خروشتی یا سنسکرت رسم الخط میں لکھی گئی ہیں۔''(6)

بلتی زبان کا معاملہ اس ضمن میں شینا کی نسبت قدرے مختلف ہے۔ کیونکہ بلتی زبان کی نہ صرف اپنی تاریخ بلکہ اس کا رسم الخط بھی ماہرین نے دریافت کیا ہے۔ اس کے مطابق بلتی زبان تبتی زبان کی انتہائی مغربی شاخ ہے۔ اس زبان کے اولین یا قدیم رسم الخط پر محققین کا اتفاق ہے کہ یہ بلتستان کا قدیم رسم الخط تبتی تھا جو کہ ساتویں صدی عیسوی میں اپنے لسانی سانچے میں ڈھلنا شروع ہوا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس بات پر بلتی محققین کا اتفاق دکھائی دیتا ہے کہ 617 سے 650ء کے دوران تبت کے حکمران نے اپنے ایک وزیر جسے تھونمی

سامبھوتی کے نام سے لکھا گیا ہے کو تبتی زبان کی تشکیل کا کام تفویض کیا گیا۔ اگے اسی کی تخلیق تھی جو کہ بعد میں متروک ہوا۔ محقق یوسف حسین آبادی نے عرق ریزی سے اس رسم الخط کو دوبارہ دریافت کیا اور اپنی کتاب میں 1984 میں پیش کیا۔ اس کتاب میں یوسف حسین آبادی کے بقول:

''ماہرین کے مطابق یہ زبان بلتستان میں کچھ حد تک اپنی ابتدائی شکل میں قائم ہے جبکہ دیگر علاقوں میں مرور ایام کے ساتھ مختلف عوامل نے اس میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ تاہم سکم، تبت اور لداخ میں اب بھی وہی رسم الخط مستعمل ہے جو اشاعت اسلام سے قبل بلتستان میں رائج تھا۔ یہ رسم الخط ساتویں صدی عیسوی میں سنسکرت دیوناگری سے لیا گیا تھا۔''(7)

''اگے'' رسم الخط کی ایک خوبصورتی یہ بھی ہے کہ یہ انگریزی زبان کی طرح بائیں سے دائیں کی جانب لکھی جاتی ہے اور اس میں ابتدائی طور پر تیس حروف جبکہ چار اعرابی علامات تھیں۔ بلتی کی قدیم تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ 653 میں پہلا تبتی گرامر بھیلکھ لیا گیا تھا۔ یوسف حسین آبادی کی جانب سے اگے کی دریافت کے بعد اس زبان کے کئی اور ماہرین بھی منظر عام پر آئے اس کا قاعدہ دوبارہ ترتیب دیا گیا مگر یہ قاعدہ عوامی سطح پر رائج نہ ہو سکا۔ ماہر بلتی زبان میجر ریٹائرڈ پھچو اقبال نے اگے کے نام سے اس رسم الخط کی کتاب بھی لکھی ہے جو کہ اب بھی لائبریریوں میں موجود ہے جبکہ محمد حسن حسرت، سید محمد عباس کاظمی، یوسف حسین آبادی، غلام حسن لوبسانگ، فدا حسین غاسنگی، شیخ غلام حسین سحر، اخوند حسین حکیم، حشمت کمال الہامی وغیرہ وہ نام ہیں جنہوں نے بلتی کے قاعدوں پر کام کیا۔ ''اگے'' کی تفصیلات اور اصولوں کو پھچو اقبال کی کتاب سے سمجھا جاسکتا ہے:

''اصل میں قدیم رسم الخط جسے اگے کے نام سے جانا جاتا ہے انگریزی ہندی اور بنگلہ کی طرح بائیں سے دائیں کو لکھتے ہیں۔ بلتی حروف تہجی تین اقسام پر مشتمل ہے، اول حرف علت یعنی Vowels جو حروف کی شکل میں تو نہیں البتہ اعراب کی شکل میں ظاہر کئے جاتے ہیں اور ان کی چار اقسام ہیں۔ دوئم حروف صحیح یعنی Consonant تیس ہے یہ بذات خود اصل حروف ہیں ان کے تلفظ میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوتی۔۔۔ سوئم حرف صحیح اضافی ہیں ان کی تعداد دس ہے۔(8)

ماہرین لسانیات کے مطابق چونکہ تبتی زبان مختلف شکلوں میں ہے اس لئے اس زبان میں بلتی کا بھی ادب موجود رہا تاہم یہ کہ ادب کی ترویج فارسی زبان میں زیادہ ہوئی۔ اس حوالے سے اگلے ابواب میں بحث کو کھولا جائے گا۔ اس تناظر میں محمد نذیر نے مطالعہ بلتستان میں جو اشارے فراہم کیے ہیں وہ بھی قابل توجہ ہیں:

> "بلتی یا تبتی زبان کی حیثیت تحریری زبان کی تھی۔ اس اصل میں رسم الخط میں منظوم اور نثری کتابیں موجود تھیں لیکن یہ ہنوز تحقیق طلب ہے کہ اس زبان کے ارتقائی مراحل کیا تھے۔ اس زبان میں شاعری کے اوزان کیا تھے ابتدا میں کس کس صنف شاعری میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ بعض ماہرین کے مطابق بلتی شاعری اور ادب سنسکرت زبان سے مشابہت رکھتی ہے۔"(9)

بہت سے ماہرین اگے کے دوبارہ رائج کرنے کو ممکن سمجھتے ہیں۔ دوران تحقیق سو فیصد ماہرین لسانیات نے اس سوال کا جواب ہاں میں دیا۔ تاہم اس کے لئے وسائل درکار ہوں گے۔

ii۔ رسم الخط کی تبدیلی کا ارتقائی جائزہ:

شینا اور بلتی کے قدیم رسم الخط پر تحقیق کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوگئی کہ ان دونوں زبانوں کے قدیم رسم الخط پر بالخصوص گلگت بلتستان میں قدیم دور میں کوئی شعوری کام ایسا نہیں ہوا کہ یہ رسم الخط یا اس کا دستاویزی ریکارڈ محفوظ ہوتا۔ ان کے قدیم رسم الخط بودھی سنسکرت اور اگے کو بعد میں محققین نے ثابت کیا کہ ان کا تعلق بالترتیب شینا اور بلتی سے رہا ہے۔ ایسے میں ان زبانوں کے لسانی اور رسم الخط کے ارتقائی دور کو دیکھنا ہوگا۔ اس حوالے سے اگر ہم عہد بہ عہد چلیں تو سب سے زیادہ واضح ہمیں آمد اسلام کا دور ملتا ہے جس کے بعد ان علاقوں میں رسم الخط کے سلسلے میں بہت بڑی تبدیلی دیکھنے کو ملی۔ اکبر حسین اکبر کے الفاظ:

> "چودھویں صدی کے آغاز میں امیر کبیر سید علی ہمدانی اور ان کے رفقا صوفیا کرام کی مساعی جمیلہ سے ان علاقوں میں اسلام پھیلا چونکہ ان صوفیا کرام کی مادی زبان فارسی تھی اس لئے مذہبی عقائد کے حوالے سے عربی اور فارسی زبان کے الفاظ بھی مقامی بولیوں میں شامل ہوگئے۔"(10)

اسلام کی آمد نے خصوصی طور پر یہ تاثر قائم کیا کہ نہ صرف غیر اسلامی تہذیب حرام ہے بلکہ ان سے منسوب زبانیں بھی حرام ہیں۔ اس نظریئے نے مقامی زبان کو شدید نقصان دیا اور یوں یہاں کی زبانیں فارسی اور عربی میں سرایت کرنے لگیں۔ تاریخ کی کتابیں کہتی ہیں کہ امیر کبیر علی ہمدانی 1373 اور 1384 کے درمیان تین بار بلتستان تبلیغ اسلام کے لئے آئے تھے۔ ان ہی ادوار میں گلگت بلتستان میں شینا اور بلتی سمیت دیگر زبانیں تیزی سے زیر اثر آرہی تھیں۔ یہ دور زبان کا بھی ارتقائی دور تھا کہ ایک جانب شینا ور بلتی کا رسم الخط دم توڑ رہا تھا تو دوسری جانب ایک نئی زبان کے سانچے میں یہ زبانیں ڈھل رہی تھیں۔ اب یہ زبانیں مشرقی زبانوں کے رسم الخط کی جانب گامزن تھیں، اس جانب ڈاکٹر حسن خان اماچہ نے نصاب شاعری و فارسی بلتی لغت میں یوں اشارہ کیا ہے:

> ''بلتستان میں اسلام تبلیغ و اشاعت چودھویں صدی میں ایرانی مبلغین کے ذریعے ہوئی۔ یوں ان مبلغین نے اہل بلتستان کو نہ صرف دین اسلام سے مشرف کیا بلکہ یہاں کے معاشرتی آداب، رہن سہن، خورد نوش، لباس، رسوم رواج اور ادب و شاعری پر بھی ایرانی رنگ غالب آگیا۔ اہل بلتستان نے اپنے قدیم رسم الخط اگے کو ترک کر کے بلتی لکھنے کے لئے فارسی نستعلیق کو اپنانا شروع کیا جو یہاں آج تک رائج ہے۔''(11)

اس بات پر محققین کا مجموعی طور پر اتفاق ہے کہ اسلام کی آمد یہاں چودھویں صدی عیسوی میں ہوئی اسی صدی میں ہی مقامی زبانیں متاثر ہوئیں اس کے بعد یہاں کی زبانوں میں فارسی کا عمل دخل بہت بڑھ گیا فارسی نستعلیق کا عملی استعمال بھی شروع ہوا۔ پروفیسر عثمان کے مطابق زبانیں کچھ یوں اردو میں ڈھلیں:

> ''شینا، بروشسکی، بلتی اور واخی میں عربی اور فارسی کے الفاظ کی بھرمار ہوگئی جو ان زبانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ اسلام کی تبلیغ عربی فارسی کے توسط سے ہوئی۔ اولیا، علما اور واعظوں نے جتنے الفاظ استعمال کی وجہ سے یہ چار زبانیں ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ نماز، اذان، وضو، قبلہ، کلمہ، اللہ، خدا، اصول اسلامی، اعتکاف، زکواہ، صدقہ، روزہ، اسلامی مہینے، دن، قمری سال، اخلاقیات غرض یہ زبانیں علمی اور ثقافتی سیلاب میں بہہ گئیں اور ساتھ ہی کنارہ لگیں۔''(12)

یہاں ایک پہلو بہت دلچسپ صورت حال اختیار کر گیا کہ زبانوں کی تبدیلی کا عہد اور نوعیت ایک جیسی ہے اور ان میں ادوار کا فرق نہیں البتہ عوام میں قبولیت کے تناسب سے اس کے استعمال اور فروغ کا فرق ہو سکتا ہے۔ اس عہد و عقیدے سے مزین فارسی رسم الخط میں جب گلگت بلتستان کی زبانیں پروان چڑھیں تو ان کو لہجے، تہجی، حروف، اصوات کا مسئلہ فطری طور پر درپیش تھا کیونکہ یہ زبانیں اضافی لسانی خواص رکھتی تھیں۔ آج بھی اس ضمن میں یہ زبانیں رسم الخط کے مجموعی اور مقبول عام اطلاق کے ضمن میں مسائل سے گزر رہی ہیں۔ فارسی نستعلیق نے پوری طرح وہ کام نہیں کیا جو کہ ان کے مقامی رسم الخط میں ممکن تھا۔ بقول ڈاکٹر شجاع ناموس:

> ''شینا کی ابجد میں فارسی کے وہ حروف موجود ہیں جو پہلوی اور دری فارسی میں اصوات کے لحاظ سے مروج تھے اور اسلام کے ایران پر حاوی ہونے کے بعد اہل ایران نے ان کو عربی ابجد میں شکلیں پہنا کر اپنے مطلب کے لئے رائج کیا۔ تاکہ وہ علمی زبان یعنی جدید فارسی کی مخصوص آوازوں کو کاغذ پر ظاہر کر سکیں۔''(13)

ان زبانوں کی نے اگلی کروٹ اردو کے ساتھ بدلی۔ اردو کی آمد یہاں ڈوگروں کے ساتھ ہوئی۔ یہ وہ دور تھا کہ جب ڈوگروں یعنی حکومت اور عوام کے درمیان لسانی ناواقفیت تھی اس لئے یہاں اردو کو فروغ ملا۔ اس ضمن میں محققین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہاں سے آگے جب ڈوگرہ راج یا دور شروع ہوا تو اردو نے ایک دم اس خطے میں قدم رکھا اور نہایت تیزی سے قدم جمالئے۔ اردو زبان کو اگرچہ سرکاری مقاصد کے تحت رائج کیا گیا۔ سرکاری امور اور دستاویز میں اردو کا عمل دخل تھا عہدوں کے نام اردو کے تھے۔ مثلا وزیر، قانون، واصل، صدر وغیرہ۔ اس خطے میں 14 سے زائد مقامی زبانیں تھیں اور ڈوگرہ و انگریز کے دور میں حکمرانوں کو ایسی زبان درکار تھی جو کہ ان تمام زبانوں پر غالب ہو، اس کا اپنا رسم الخط ہو تاکہ اس خطے میں عوام اور حکومت کے درمیان رابطہ کاری ممکن ہو۔ لہذا اس نظریہ ضرورت نے یہاں فروغ اردو کا ماحول پیدا کیا۔ ڈاکٹر عظمی سلیم لکھتی ہیں:

> ''مقامی زبانوں کی سب سے اہم ضرورت ایک ایسا رسم الخط تھا جس کے ذریعے وہ شمالی علاقہ جات کے علاوہ پوری دنیا اپنی بات پھیلائیں۔ یہ ضرورت بھی اردو کے ذریعے پوری

ہوئی اس کے فوائد بہت جلد سامنے آنا شروع ہوگئے جس کی وجہ سے مقامی زبانوں کے ادبانے خصوصیت کے ساتھ اردو کو اپنالیا۔"[14]

اس عمل کو تحریک آزادی پاکستان کے کامیاب ہونے کے بعد مزید تقویت ملی۔ آج اردو قومی زبان کے طور پر پورے گلگت بلتستان کی زبان ہے اور یہاں بہ یک وقت اردو زبان اور ادب رسم الخط کے ساتھ ساتھ مقامی زبانوں کا ادب بھی اردو رسم الخط میں پروان چڑھ رہا ہے۔اس ضمن میں یہ بات اپنی جگہ الگ موضوع ہے کہ شینا اور بلتی کو اردو زبان میں رائج کرنے میں ماہرین لسانیات کامیاب ہوئے ہیں کہ نہیں تو اس کا زمینی حقائق کو مد نظر رکھ جواب نہیں میں نکلتا ہے۔ محققین کے مطابق شینا کو اردو رسم الخط کے ساتھ اضافی آوازوں اور صوتیات سے لیس کرکے تہجی دینے کا شعوری کام ڈاکٹر شجاع ناموس نے کیا تاہم وہ پوری طرح اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ پروفیسر امین ضیانے شینا اردو کا لغات مرتب کیا۔ امین ضیانے 1970 "سان" اور "سوینو مورے" کے نام سے ضرب الامثال کی کتابیں شائع کیں۔ اکبر حسین اکبر 1983 میں "سومولو رسول" کے نام سے سیرت نبی کی کتاب شینا میں شائع کی۔ ان کتابوں میں اردو میں شینا کے لئے مروجہ رسم الخط یا حروف تہجی متفقہ نہ تھے بلکہ وضع کردہ تھے۔ عبد الخالق تاج نے بھی شینا کا قاعدہ لکھا، شینا لینگوئج اینڈ کلچر سوسائٹی نے "شینا لکھنے کا ورک بک" بنایا، رازول کوہستانی کا "شینا قاعدہ" صوفی شکیل کا "گلگتی شینا میں پڑھنا لکھنا"، جمشید دکھی کے مضامین جیسی کاوشیں خالصتا لسانی پہلوؤں کو مد نظر رکھ کر کی گئی ہیں۔ اسی طرح بلتی میں راجہ محمد علی شاہ صبا کا "اردو بلتی لغت"، مرتبین کا "بلتی قاعدہ"، حسن خان اماچہ کا "نصاب شاعری اور بلتی فارسی لغت"، غلام حسن لوبسانگ کی تحقیقات، "بلتی سکد" ورک بک، فدا غاسنگی کا "اردو بلتی گرائمر"، وغیرہ وہ لسانی خدمات ہیں جو کہ بلتی زبان کے لئے کی گئیں۔ اب بھی دونوں مقامی زبانوں میں متفقہ رسم الخط کے لئے کاوشیں جاری ہیں۔

ب: شینا اور بلتی قواعد پر اردو کے اثرات

i۔ شینا اور بلتی کے قواعد: بنیادی خدوخال

شینا اور بلتی کے کے قواعد کی بات کی جائے تو یہ وہ مرحلہ ہے جہاں لسانی صوتی اور لہجے کی مماثلت کے باوجود بعض اہم اور اصولی فاصلے از خود شینا اور بلتی دونوں زبانوں میں ہیں۔ سب سے پہلے تو شینا کی بات کرتے

ہیں۔ یہ زبان چونکہ ہند آریائی زبانوں کی درد شاخ ہے اس لئے اس میں ہند آریائی زبانوں کے قواعد کا اثر ملتا ہے جو کہ اردو کے زبانچے میں بھی موجود ہے

شینا کے فقرات کا ڈھانچہ اردو سے مماثلت رکھتا ہے۔ شینا زبان کے حروف تہجی ڈاکٹر شجاع ناموس کے وضع کردہ 56 ہیں ان میں سے 44 مفرد جبکہ 12 مرکب ہیں۔ تاہم ارتقائی عمل سے گزر کر ان میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ امین ضیا نے 1982 میں شینا گرامر اور قاعدہ وضع کیا۔ یہ قاعدہ اردو قواعد کے اصولوں پر ہے۔ ''شینا گرامر'' پر سرحد پار انگریزی میں بھی کتاب لکھی گئی ہے جو کہ پی پی راجہ بورہت کی سندی تحقیق ہے اس طرح رازول کوہستانی کا قاعدہ، عبدالجبار چکٹ کا ''گلستان شینا''، مسعود ساوں کا ''شینا گرامر'' بھی شینا قواعد کی ارتقائی صورت حال سے واقف کرانے میں مددگار ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے ایم فل کے طلبا کے لئے ''شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب'' کا کورس متعارف کرایا جس کے شینا زبان کے حصے میں اس زبان کے حروف تہجی بھی بیان کئے گئے ہیں۔ جبکہ بین الاقوامی صوتیات کے اصولوں کا جدول بھی رہنمائی کے لئے دیا گیا ہے تاکہ تلفظ کی جانب رہنمائی آسانی سے ہو سکے۔ اردو رسم الخط میں شینا کو جاننے کے لئے ڈاکٹر ناموس کے بنائے قاعدے دیکھنے ہوں گے۔ ڈاکٹر ناموس نے شینا کے حروف ابجد بنانے کے کئے عربی، فارسی ،ہندی سے استفادہ کیا ہے۔ انہوں نے کس طرح سے اس میں ترامیم کیں ان کی اپنی کتاب سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

> ''اب شینا ابجد کے سب سے اہم حروف کی باری آتی ہے۔ یہ حروف صرف شینا میں مستعمل ہیں اور کسی عربی فارسی اردو میں استعمال نہیں کیا جاتا۔۔۔ تو ہم ان تمام حروف کو جمع کرتے ہیں تو شینا کی ابجد میں موجود ہیں ان کو ہم نے یوں درج کیا ہے
>
> | | |
> |---|---|
> | عربی حروف کی تعداد تہجی میں | ۲۹ |
> | فارسی حروف کی تعداد۔۔۔ | ۴ |
> | ہندی حروف کی تعداد | ۴ |
> | ہائے مخطوط کے حروف | ۱۱ |
> | شینا کے خاص حروف | ۸ |
> | | ۵۶ |

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک ابجد میں ۵۶ حروف تہجی ہوں یہ بڑی تعداد ہے۔ اس لئے یہ کہ زبان کی تحصیل مشکل ہوگی، مگر اردو جاننے والوں کے لئے یہ مشکل آسان ہو جاتی ہے کہ اردو اور شینا خاندان کے لحاظ سے ایک ہیں۔[15]

یہاں امین ضیا کے بنائے ہوئے شینا قاعدے کا ایک پہلو سامنے لانا ضروری ہے اور اس پہلو کو دوران تحقیق قابل قبول سمجھا گیا اور یہ بات چونکہ عقلی طور پر تسلیم کی جاسکتی ہے امین ضیا نے شینا حروف تہجی وضع کر کے اس میں ڈاکٹر ناموس کے دیئے ہوئے اعداد نہ صرف کمی کی بلکہ اس میں اپنی دلیل بھی دی۔ امین ضیا نے عربی فارسی اور اردو حروف کو شینا تہجی سے نکال دیا۔ ان کا خیال ہے کہ شینا میں ان حروف کا مخرج یکساں ہے۔ یعنی وہ ان ہی صوتی طور پر ایک جیسا سمجھتے ہیں۔ تفصیل کچھ یوں ہے:

''اپنی تحقیق میں امین ضیا نے عربی، فارسی اور اردو کے کئی حروف کو نکال دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شینا بولنے والے ان حروف کو ادا نہیں کر سکتے یہ حروف اور ان کے متبادل شینا حروف درج ذیل ہیں

ث=س	ص=س	ظ=ض	ز=ذ
ق=ک	ف=پھ	غ=گ	ح=ہ۔''[16]

فاضل محقق کی اس بات کو عملی طور پر دیکھا، سنا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ شینا اہل زبان میں ان اصوات کے حوالے سے واضح مسئلہ پایا جاتا ہے اور کسی اسے حرف کا تصور کسی زبان میں کے بنیادی قاعدے میں کیسے کیا جاسکتا ہے کہ جس کی آواز لہجہ اس زبان میں با آسانی موجود ہی نہ ہو۔

شینا زبان چونکہ اردو کی ہی طرح قواعد اور کا انداز رکھتی ہے اس لئے دوران تحقیق معلوم ہوا کہ شینا میں فقرہ اردو قواعد کے عین مطابق بنتا ہے۔ مثلا فاعل، علامت فاعل، متعلق فاعل، حرف ربط، متعلق فاعل اور فعل۔ اہم بات یہ ہے کہ جملہ سازی کے دوران بھی اس کی ترتیب اردو کی طرح رہتی ہے۔ مثبت، منفی، سوالیہ تینوں جملوں میں وہی ترتیب اترتی ہے جو کہ اردو میں ہو مثال کے طور پر:

اردو	شینا
میرا نام علی ہے۔	مئ نوم علی ہن ۔

آپ کیا کرتے ہیں؟ توس جیک تھینو ؟

میں پانی نہیں پیتا۔ مس وئی نا پیموس .

درج بالا جملوں میں مبتدا اور خبر ، فاعل اور فعل کی جو ترتیب اردو میں ہے عین وہی شینا میں بھی ہے۔شینا زبان میں بے جان کی تذکیر و تانیث کا بھی تصور اردو کی طرز پر موجود ہے۔اس جانب ڈاکٹر شجاع ناموس نے عرق ریزی سے کام کیا ہے۔ڈاکٹر ناموس کے اصولوں میں بھی بعد ازاں تبدیلیاں کی گئیں۔تذکیر تانیث کے لئے جانداروں میں کوئی حتمی کلیہ نہ تو اردو قواعد میں موجود ہے اور نہ ہی اس کا کوئی اصول شینا میں نظر آتا ہے بلکہ شینا اردو کی نسبت زیادہ بے قاعدہ نظر آتی ہے ، عموما الف پر ختم ہونے والے بے جان الفاظ مذکر میں ہیں اور ی پر خاتمے کے الفاظ مونث ہیں مگر اس فارمولے کا مکمل اطلاق نہیں ہوتا۔ضمائر کے معاملے میں بھی اردو سے شینا مماثلت رکھتی ہے۔واحد جمع کے لئے شینا میں کچھ اصول وضع ہیں اگر واحد اسم الف یاہ پر ختم ہو تو اس کو جمع بناتے وقت ئی یا ئے لگاتے ہیں مثال کے طور پر:

اردو	معانی	شینا	معانی
مشا	مرد	مشے	کئی مرد
پا	پاوں	پے	کئی پاوں
کرسی	کرسی	کرسی اے	کرسیاں
گاو	گائے	گاوے	زیادہ گائیں
اشی	آنکھ	اشی اے	آنکھیں

مصدر کے معاملے میں شینا گرامر میں طریقہ یہ دیکھا گیا کہ یہاں علامت مصدر "نا" کی جگہ "وک" لگایا جاتا ہے

پینا پیوک جانا بجوک لے جانا یروک

بولنا رژوک

شینا قواعد پر سرحد پار ہونے والی تحقیقی کام میں اس زبان کے لسانی خدوخال کا عمیق جائزہ لیا گیا ہے۔مسعود ساموں کا لکھا ہوا شینا گرامر اس ضمن میں ایک اچھی کاوش ہے۔اس گرامر کا ایک دلچسپ پہلو

یہ بھی ہے کہ یہ اردو نستعلیق اور شینا کے موجودہ رسم الخط کے امتزاج سے لکھا گیا ہے۔یعنی اس کے قاری شینا بولنے والے ہو سکتے ہیں۔ رازول کوہستانی کے تصویری قاعدے میں گرامر کے بھی کئی ایک اصول جدول کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ امر اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ لسانی قواعد کو درکار اصلاح کی گنجائش بہت زیادہ ہے۔ محققین کی ایک جماعت امین ضیا کے بنائے گئے قاعدے کو قابل قبول گردانتے ہیں۔ شکیل احمد شکیل نے دی دی شلوکے میں ان الفاظ کے ساتھ اس پہلو کو بیان کیا ہے:

> ''تیسرا مرحلہ شینا حروف تہجی پر اب تک ہونے والے کام کے تجزیئے کا تھا۔ ہمارے سامنے یوں تو بہت سارے نمونے تھے۔ تاہم محمد امین ضیا صاحب کا ترتیب دیا ہوا حروف تہجی کا نمونہ فنی اور تکنیکی خصوصیات کا حامل ہے یعنی ہم کہہ سکتے ہیں امین ضیا شینا فونی تشکیل دینے والے پہلے محقق ہیں۔''(17)

اس ضمن میں شینا قاعدے پر ''گلستان شینا''، مسعود سموں گردیزی کی ''شینا گرامر کی کتاب''، عبد الخالق تاج کا ''گلگتی شینا زبان''، رحمت عزیز چترالی کا ''شینا قاعدہ'' وغیرہ بھی وہ کام ہے جس سے شینا اور اس کے خدوخال کو سمجھنے میں رہنمائی ملتی ہے۔

اگر بلتی زبان کی بات کی جائے تو یہاں معاملہ زرا سا اردو اور شینا سے الگ ہے۔ کیونکہ بلتی اس ضمن میں مختلف زبان ہے۔ بلتی زبان انگریزی کی طرح غیر جاندار کی تذکیر و تانیث سے مبرا ہے۔ نہ ہی واحد جمع کے لئے الف صیغے ہیں بلکہ یہ امور لفظ کے اضافے سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ متروک رسم الخط اگے کی بجائے ہماری تحقیق کا محور اردو رسم الخط میں مروجہ بلتی ہے اس لئے ہمیں اسی رسم الخط کو مد نظر رکھ کر اپنی بات بڑھانا ہو گی۔ بلتی قواعد کا اجرا اگرچہ عوامی سطح پر مقبول عام نہیں ہے لیکن ان کی طباعت اور اشاعت کا کام مختلف پیمانوں اور ادوار میں جاری رہا ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے ایم فل کورس میں مقامی زبانوں کے ادب میں بلتی قواعد پر اجمالی روشنی ڈالی ہے۔ اس نصابی کورس میں قواعد کے خدوخال بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ڈوگرہ راج کے بعد جب یہاں اردو کا عمل دخل بڑھا اس رسم الخط میں بلتی زبان کی تحریری صورت نمودار ہوئی۔ تب یہ معلوم ہوا کہ اصوات کے لئے تہجی کی کمی ہے اور نئے حروف درکار ہیں۔ یوسف حسین آبادی نے نئے حروف وضع کئے اور مقتدرہ قومی زبان نے بلتی قاعدہ بھی چھاپا۔ اس قاعدے کے مطابق بلتی

میں 50 حروف تہجی ہیں جن میں عربی فارسی کے 37 جبکہ بلتی کے 13 مفرد اور مرکب حروف شامل ہیں۔ بعض حروف میں نقطے اور خصوصی علامات بڑھادی گئی ہیں۔ محمد حسن حسرت لکھتے ہیں :

''ڈوگرہ تسلط کے بعد بلتستان میں جب ڈوگری ہندی اور اردو کا رواج ہوا تو یہ حروف بلتی تحریروں میں شامل ہوگئے۔اس کے علاوہ بلتی میں ث،ح،ص،ض،ف وغیرہ کی آوازیں بھی نہیں ہیں۔''(18)

فدا غاسنگی نے ان پچاس حروف تہجی کے علاوہ 17 مرکب حروف بھی دیئے ہیں مگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان حروف میں صوتیاتی اثرات کا پہلو نمایاں ہے جو کہ فونیمات کے پہلو مد نظر رکھ کر بنائے جاسکتے ہیں۔بلتی کے موجودہ مستعمل رسم الخط کو وضع کرنے کے لئے جو اقدامات لیے گئے ہیں وہ متفقہ تو نہ تھے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس میں مقامی ماہرین لسانیات کی پوری ٹیم نے کام کیا تھا۔ البتہ ایک نکتہ قابل غور ہے کہ ان حروف تہجی کی ایجاد کے باوجود عوامی سطح پر ان سے واقفیت کا فقدان نظر آتا ہے بلکہ اب بھی بلتی لکھنے والے بہت سے لوگ مذکورہ بالا حروف کی جگہ اردو کے ان حروف سے ان کو تحریر کرتے ہیں جن کا تلفظ نزدیک ہو۔ اس عمل کو اہل زبان تو سمجھ جاتے ہیں اور پڑھتے وقت اصلاح کر بھی دیتے ہیں لیکن غیر بلتی کے لئے یہ امر ناممکن ہو جاتا ہے کہ وہ تحریر کی بنیاد پر تلفظ کرے۔یوسف حسین آبادی کے بقول:

''ستبر 2001 میں چار بلتی مصنفین کی ایک جماعت نے حاجی فدا محمد ناشاد ڈپٹی چیف ایگزیکٹیو کی سرپرستی میں اس رسم الخط میں ایک تصویری قاعدہ مرتب کیا جسے پروفیسر فتح محمد ملک صدر نشین مقتدرہ قومی زبان نے مئی 2002 میں شائع کیا۔2002 میں انہی افراد کی کوششوں سے اس رسم الخط کے تحت بلتی سافٹ وئیر بھی تیار ہو گیا۔''(19)

صوتیاتی طور پر بلتی ایک ایسی زبان ہے کہ جس میں کچھ پہلو بہت منفرد ہیں اس زبان میں پہلا حرف ساکن بھی ہو سکتا ہے۔،مثال کے طور پر ہر کونگ(نہر)ہر کیل (لیپٹو)ہڑ کیال (نہایا)وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن میں ہ کا حرف ادا نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ہ صرف سانس میں شامل ہو کر خفیف سی آواز دے گا۔اسی

طرح اردو میں ڑ کے حرف سے کوئی لفظ شروع نہیں کیا جاسکتا لیکن بلتی میں ڑ سے متعدد الفاظ نہ صرف بنائے جاسکتے ہیں بلکہ اس کو ایک مخصوص آواز کے ساتھ ادا بھی کیا جاتا ہے

ڑگیانگ	دیوار	ڑدوا	پتھر
ڑگیامسہ	دریا	ڑدونگ	مارو

بلتی میں فعل مجہول کا کوئی صیغہ اور نہ ہی اس کا تصور ہے۔ بلتی مصادر فعل پر الف لگا کر بنائے جاتے ہیں جیسے "زا" یعنی کھانا، "تھونگما" پینا، "گوا" جانا وغیرہ۔ اسم نکرہ اور معرفہ کے لئے علامات ہیں اور اگر دونوں نہ ہوں تو اس کو اسم جنس مراد لیا جاتا ہے۔ نکرہ کو "و" یا "پو" لگا کر معرفہ بھی بنایا جاسکتا ہے جیسے

می	آدمی	میو	خاص آدمی
سا	زمین	سو	خاص زمین
لم	رستہ	لم پو	خاص رستہ
سنا	کان	سنو	خاص کان

بلتی زبان سے متعلق غلام حسن لوبسانگ کا مرتب کیا ہوا انگریزی گرامر اس زبان قواعد کو سمجھنے میں بہت مددگار ہے اور مصنف نے اس میں انگریزی تلفظ کے اصول و ضوابط کی روشنی میں بلتی لفظوں کا ساونڈ سسٹم متعارف کرایا ہے۔ لوبسانگ کا لکھا ہوا بلتی قاعدہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں اور یہ قاعدہ مرتب بھی بلتی زبان میں کیا گیا ہے اس لئے یہ اہل زبان کے لئے کارگر ہے جبکہ اس کا رسم الخط اردو ہے۔ بلتی زبان کا ایک قابل توجہ پہلو یہ بھی ہے کہ اس کے بعض الفاظ حرکت کے ساتھ اپنے تلفظ کو یوں بدل دیتے ہیں کہ تہجی میں بھی فرق آجاتا ہے۔ یعنی لفظ جب تک ساکن ہو تو اس کی تہجی کچھ ہو گی لیکن حرکت کے ساتھ لفظ بدل جائے گا۔ جیسے "ت" متحرک ہو تو "د" سے بدل جاتا ہے اور بعض الفاظ میں یہ صورت حال بہت واضح ہے۔ راجہ محمد علی شاہ صبا اس ضمن میں بلتی اردو لغت میں یوں نشاندہی کرتے ہیں:

> بلتی زبان میں چند حروف اصلی ایسے ہیں جو ساکن ہوں تو اور آواز دیتے ہیں اور متحرک ہوں تو آواز بدل حاتی ہے۔ مثلا "ت" متحرک ہو تو "د" کی آواز دیتا ہے۔ جیسے "ژھت" بس کرو، "ژھدید" بس کر رہا ہے۔ رگوت پا، رگودیت۔[19]

بلتی زبان کو رومن میں لکھنے کی کوشش کے لئے بلتی سکد نامی قاعدہ بھی منظر عام پر آچکا ہے۔

ii۔ اردو کے زیر اثر قواعد کی تبدیلیوں کا جائزہ

دونوں مقامی زبانوں کے قواعد میں اردو کی آمد سے بڑی تبدیلی۔ سب سے پہلی تبدیلی یہاں کا رسم الخط ہے جو کہ اردو کی آمد کے بعد اردو نستعلیق میں قابل قبول ہو گیا اور زبانیں اس کے زیر اثر پروان چڑھ رہی ہیں۔ شینا اور بلتی کے قواعد میں تبدیلی میں از خود رسم الخط پر مرتب ہونے والے اثرات سر فہرست ہیں۔ ڈاکٹر عظمی سلیم کے مطابق 1877 کے لگ بھگ شینا کو اردو رسم الخط میں تحریر کیا جانے لگا جبکہ محمد حسن حسرت بلتی میں اردو حروف کے داخلے کو 1840 میں ڈوگرہ کی آمد کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ دونوں مقامی زبانوں میں لہجے، اصوات اور تلفظ میں مماثلت کی وجہ سے ان دونوں پر اثرات کی نوعیتں بھی بہت حد تک ملتی جلتی تھیں۔ فارسی نے یہاں کے رسم الخط کی جگہ تو لے لی لیکن لسانی ضروریات پوری نہ کر سکی۔ اور یہی معاملہ اردو کے ساتھ بھی ہے کہ اردو کا رسم الخط وہ تمام تہجیاں رکھتا ہی نہیں جن کا وجود شینا اور بلتی اصوات کے لئے ضروری ہے۔ محمد حسن حسرت پاکستانی زبانیں مشترک ادبی ولسانی ورثہ میں نشاندہی کرتے ہیں:

> ”بلتی میں یہ اضافی حروف اس لئے رائج کئے گئے ہیں تا کہ ان کی مخصوص آوازوں کو پہچانا جاسکے جن کی ادائیگی عربی، فارسی اور اردو کے حروف سے ممکن نہیں تھی اور جن کے مخارج بھی قریب قریب ان کے لئے اجنبی تھے ان دونوں زبانوں نے اپنے ارتقائی مراحل میں عربی اور فارسی کی آوازوں کو اپنایا ہے لیکن اردو اور بلتی چونکہ دو مختلف لسانی گروہوں سے ہیں اس لئے ان کے درمیان کافی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور ان اختلافات کی بدولت اب تک ان زبانوں کی انفرادیت قائم ہے۔“[21]

عین یہی صورت حال شینا کی بھی تھی کہ جہاں اردو کے زیر اثر بڑھنے والی شینا رسم الخط میں نظریہ ضرورت کے تحت کچھ تبدیلیاں کی گئیں تاہم یہ بات اہم ہے کہ ان اصولوں کو اردو کو مد نظر رکھ کر ہی مرتب کیا گیا۔ ڈاکٹر شجاع ناموس نے اولین شعوری کوشش کی انہوں نے اپنی کتاب میں اس بات کا اعتراف از خود بھی کیا کہ انہوں نے شینا قواعد کا نقشہ اردو کو ذہن میں

رکھ کر کھینچا ہے۔ اور کی وجہ وہ دونوں زبانوں کی قربت کو قرار دیتے ہیں۔ ڈاکٹر عظمی سلیم لکھتی ہیں:

"شینا حروف تہجی کی ضمن میں ڈاکٹر ناموس کی تحقیق اردو رسم الخط سے ملتی ہے۔ جو شینا زبان پر کی گئی اولین کوشش قرار دی جاتی ہے۔ یہ کتاب انہوں نے ۱۳ اگست ۱۹۵۲ سے ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ کے دوران تحریر کی تاہم یہ کتاب ۱۹۶۱ میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں اردو رسم الخط کے علاوہ اردو حروف تہجی، اردو گرامر، اردو الفاظ اور اردو ادب سے مدد لی گئی۔"(22)

اردو زبان نے یوں تو گلگت بلتستان میں رسم الخط سمیت جگہ تو بنالی ہے لیکن مقامی افراد کی لسانی عادات، موسم، بلتی شینا کے مخصوص آہنگ اور اثر پذیری میں آنے والی رکاوٹوں کی وجہ سے اردو دونوں مقامی زبانوں کے ساتھ لسانی کشمکش میں چل رہی ہے۔ اس گھل ملنے والی تہذیب نے زبانوں پر امتزاجی اثرات بھی مرتب کئے ہیں۔ محمد حسن حسرت کے مطابق اردو کی اثر پذیری کے باوجود کچھ حروف اردو میں ایسے ہیں جو کہ شینا یا بلتی کے لئے بھی اضافی ہیں:

"بلتی میں ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ف وغیرہ کی آوازیں نہیں ہیں اور س سے ث اور ص کا کام لیا جاتا ہے، ح کی جگی گول ہ ذ ض اور ظ کی جگہ ز، ط کے لئے ت اور ع کے لئے الف استعمال ہوتا ہے۔ ف کی جگہ مرکب پھ مستعمل ہے۔"(23)

اب دلچسپ امر یہ بھی ہے کہ ان حروف کی بنیاد پر کوئی لفظ لکھنا بھی ہو تو ان کے لکھنے اور پڑھنے میں بعض اوقات واضح فرق آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر بلتی میں مستعمل لفظ ظلم، فون، حق وغیرہ کو زلم، پھون، ہق پڑھا جاتا ہے۔ اردو زبان کے الفاظ کے دخول کے ساتھ یہی اثرات شینا میں بھی نمایاں ہیں اور یہاں صورت حال قدرے مختلف بھی ہے۔ ڈاکٹر عظمیٰ سلیم کے مطابق "اس علاقے میں فطری خاصیت کی بنا پر افراد کئی الفاظ کو صحیح تلفظ سے ادا نہیں کر پاتے مثلاً پنکھا کو پھنکا، ادھار کو ادار کہا جائے گا"(24)

شینا اور اردو میں قواعد کی رو سے کافی اصول اگرچہ مشترک ہیں ان میں بے جان کی تذکیر تانیث کا تصور اگرچہ دونوں زبانوں میں ہے مشترک طور پر موجود اصولوں میں مشابہت ہے لیکن بعض اوقات واضح

نوعیت کا فرق ہے جو کہ کچھ الفاظ پر نمایاں ہے مثال کے طور پر شینا میں کبوتر مونث ہے اور ناشپاتی مذکر پہاڑ دریا، پتھر اور قلم مونث ہیں۔ لسانی امتزاج نے یہاں ایسے بھی کئی فقرات کو مستعمل کر دیا ہے کہ اردو میں وہ قواعد کی رو سے غلط ہیں لیکن ان مقامی زبانوں میں وہ درست تصور کئے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر شینا میں کسی کو متوجہ کرنے کے لئے لفظ " الا" کا استعمال ہوتا ہے لیکن یہی کلیہ اب اردو میں بھی شینا کے اہل زبان استعمال کرتے ہیں اور ایسا کرنا معمولی سمجھا جاتا ہے۔ جیسے ایک شینا کا مقامی شخص کسی کو یوں بھی مخاطب کر سکتا ہے۔ ''الا کدھر جاتے ہو؟ الا بھائی کیا حال ہے؟ الا بیٹھو یار''۔ اس طرح بلتی میں اسی مقصد کے لئے " لے "کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور بلتی کا مقامی شخص اگر اردو بولے گا تو یوں بھی جملے ادا کرتا سنا جا سکتا ہے۔ ''لے یار جلدی آو۔ لے بھائی کدھر جا رہے ہو؟ لے میں تو نہیں جاوں گا''۔

شینا زبان میں صفت نسبتی بنانے کے لئے قاعدہ ہے کہ عمومی طور پر اسم صفت میں "و" لگا کر لفظ بنا دیں۔ جیسے کشیرو، گلیتو، کشروٹو، شگرو تاہم اردو کی آمد نے اب اردو ترکیب میں استعمال ہونے والے صفت نسبتی کے اصول کو شینا میں رائج کر دیا ہے اور یوں بھی مستعمل ہے کشمیری، گلگتی، کشروٹی، شگری وغیرہ۔ یہی بات بلتی میں بھی ہے کہ یہاں نسبتی نام بنانے کے لئے "پا" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کا مطلب ہے والا۔ یعنی خپلو پا، شگر پا، کھرمنگ پا، نگر پا۔ تاہم اردو کے بعد یہ الفاظ یوں بھی عین مستعمل ہیں خپلوئی، شگری، کھرمنگی، نگری وغیرہ۔ زبان کی ان بدلتی ہیتیوں اور اصولوں پر رازول کوہستانی نے اپنے ایک مقالے میں اس طرح اظہار خیال کیا ہوا ہے:

> شینا زبان کی علّی آوازیں چار قسم کی تان یا سروں کی حامل ہیں یعنی الفاظ میں علّی آعاز کو تاہ سُر، ہموار سُر، طویل سُر اور طویل بروسُر یا ان سروں کو اعراب لگانے سے درست طور پر تلفظ کیا جا سکتا ہے۔۔۔ بغیر کسی لفظ کو اس کی درست آواز کے ساتھ پڑھنا ناممکن ہے۔[25]

اردو قواعد کے مقامی زبانوں پہ ان اثرات کو مقامی زبان کے ماہرین بین السانی راوبط کے سلسلے میں جہاں مثبت سمجھتے ہیں وہیں ان کا خیال ہے کہ ان قواعد اور اصولوں کو محفوظ کرنے کی بھی ضرورت ہے ورنہ ان پر اردو کے

اثرات اس قدر تیز ہو جائیں گے کہ اصل اور اثر کا فرق ختم ہو جائے گا۔ لسانی ماہر اور مقامی زبانوں کے فوکل پرسن عبدالصبور نے قواعد کی تبدیلیوں پر اپنی گفتگو میں یوں اظہار خیال کیا:

> ''گلگت بلتستان کی زبانوں پر اردو کا بہت گہرا اثر ہے۔ اردو کے زیر اثر شینا کے گرامر پر یوں اثر پڑا کہ واحد جمع کا قانون اردو کے زیر اثر آگیا اسی طرح مارفالوجی میں اردو کی گہری چھاپ ہے قواعد پر ان اثرات میں بھرتی کی ان الفاظ کو بھی گنا جا سکتا ہے کہ جو مقامی لفظوں کو متروک بنا کر خود مقامی زبانوں میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں۔''(26)

بلتی اور شینا پر اردو کے ان اثرات اور قواعد کی تبدیلیوں نے ادب کو بھی متاثر کیا اور ادب پر ان اثرات نے کیا رنگ ڈالے اس بارے میں اگلے ابواب میں تفصیل دی جائے گی۔

ج: شینا اور بلتی کے ذخیرہ الفاظ پر اردو کے اثرات

i۔ مقامی الفاظ پر اردو کے لہجے اور تلفظ کے اثرات

شینا اور بلتی زبان میں اردو الفاظ کا لہجہ اور تلفظ اردو کی آمد کے بعد بتدریج اور غیر محسوس طریقے سے اثر کرتا رہا، آج بھی بلتستان اور گلگت میں جو مقامی زبانیں بولی جاتی ہیں وہ اردو سے اس قدر متاثر ہیں کہ ان زبانوں کے لہجوں میں اردو کا واضح رنگ جھلکتا ہے۔ عوامی گفتگو میں تو یہ اثر مزید نمایاں ہے مطبوعہ اور تحریری زاویے سے دیکھا جائے تو یہ بھی مد نظر رکھنا ہو گا کہ اردو بھی ان مقامی زبانوں کے لہجوں اور تلفظ کے اثر سے محفوظ نہیں یہی وجہ ہے کہ شینا، بلتی اور اردو کے مشترک الفاظ میں اردو کا رنگ غالب رہا ہے جبکہ مقامی الفاظ کو اردو نے اپنا لہجہ بھی دیا ہے۔ اس کے بڑے اسباب میں زبان کا استعمال، بدلتے ادوار، تعلیمی اداروں میں اردو کا رائج ہونا، بلتی اور شینا میں محدود ذخیرہ الفاظ، مقامی لوگوں کی قدیم مقامی لہجوں سے ناواقفیت، بڑے شہروں کی جانب لوگوں کی ہجرت اور اردو زدہ لہجے کا حصول سمیت صوتیات میں موجود مماثلت شامل ہے۔ مقامی زبانوں کے اردو میں امتزاج کے اس ماحول میں جو نئی صورت حال بنی اس پر ڈاکٹر عظمی سلیم یوں اظہار خیال کرتی ہیں:

"اس مقابلے میں دیکھا جائے تو شمالی علاقہ جات کی جن پندرہ زبانوں پر اردو نے گہرے اثرات مرتب کئے۔ انہوں نے بھی غیر شعوری طور پر جواباً اردو زبان سے محبت کا بھرپور اظہار کیا اور اسے نت نئے لہجے عطا کئے۔"(27)

شینا اور بلتی کے مقامی الفاظ پر جب بات کریں تو اس نکتے کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ دونوں زبانوں میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو کہ اردو، عربی، فارسی کے ہیں تاہم ماہرین لسانیات نے ان دخیل الفاظ کو از خود مقامی زبان کے الفاظ کے طور پر مقامی تلفظ اور لہجے دے کر نئی صحت زبان سے ہم آہنگ کیا۔ محمد امین ضیا کا شینا اردو لغت اور راجہ محمد علی شاہ صبا کا بلتی اردو لغت اس ضمن میں واضح مثالیں ہیں۔ اکبر علی اکبر نے اردو اور شینا کے مشترک الفاظ کو بھی الگ کر کے ایک بہت اہم ذخیرہ فراہم کیا ہے۔ اردو کی آمد سے قبل ہی عربی اور فارسی سے ان مقامی زبانوں میں داخل ہونے والے الفاظ کو مقامی الفاظ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کیونکہ ان الفاظ نے تب مقامی زبانوں خود کو ضم کر لیا تھا جب یہاں اردو کا تصور تک نہ تھا:

"ان تمام زبانوں میں سے بالخصوص شینا کی شاعری، موسیقی، نثر، عام بول چال، اس زبان سے بے حد متاثر ہے۔ یہاں کی زبانوں اور بولیوں کے ثقیل اور مشکل الفاظ متروک ہوتے جا رہے ہیں اور اردو الفاظ و اصطلاحات ان کی جگہ لے رہے ہیں۔"(28)

زبانوں کے اس ارتقائی ماحول کو تقویت ان لوگوں کی گفتگو نے بھی دی جو کہ از خود شینا یا بلتی بولنے والے لوگ نہ تھے بلکہ یہ لوگ یہاں کہیں اور سے آباد ہوئے اور اس کے بعد تقریر و تحریر میں مقامی زبانوں کو برتا۔ ان بولنے والوں کی لسانی تربیت اردو پر استوار تھی اور ان کے فکری شعور میں اردو تھی اس لئے وہ سیکھ کر مقامی زبانیں بولنے لگے تو الفاظ کی ادائیگی میں اردو کی آمیزش رہ گئی اور اس طرح جن مقامی لوگوں نے اردو معاشرے کی جانب ہجرت کی ان کی اولادوں نے جو بلتی یا شینا اپنے والدین سے سیکھی اس میں ان کی معاشرتی زبان یعنی اردو کا اثر داخل ہو گیا۔ ماہر تعلیم و اسکالر ذکیہ بتول نجفی کہتی ہیں:

"گزشتہ نصف صدی یا اس سے بھی زائد عرصہ سے پاکستان کے مختلف شہروں میں رہنے والے گلگت بلتستان کے مقامی افراد کی نسلوں نے جس شینا اور بلتی کو اپنایا ہے وہ اردو آلود ہے۔ اس زبان میں ادا ہونے والے شینا اور بلتی الفاظ بھی ایسے ادا ہوتے ہیں

کہ خود بزرگان جو اصل لہجوں کی سماعت کے عادی ہوں وہ سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔"[29]

شینا ہند آریائی جبکہ بلتی سائینو تبتی زبان کی شاخیں ہیں اس لئے ان زبانوں کی صوتیات اردو کی نسبت فرق ہے اور بلتی کا لسانی ڈھانچہ بھی الگ ہے تاہم دلچسپ امر یہ ہے کہ شینا اور بلتی دونوں میں اردو کہ تہجی موجود ہیں تاہم لہجوں میں ادائیگی کے دوران فرق صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔ شینا زبان بولنے والوں میں غ ،خ، ج کے تلفظ میں واضح مسائل آتے ہیں۔ عموماً شینا بولنے والے افراد غ کو گ، خ کو کھ، ج کو ژ سے بھی ادا کرتے ہیں۔ اس طرح ان میں ایک نیا صوتی آہنگ پیدا ہوتا ہے۔ اس تناظر میں شینا کے کچھ الفاظ اور ان کے تلفظ ملاحظہ ہوں

شینا لفظ	اردو سے متاثرہ تلفظ
اک	ایک
دئی	دس
چاء	چائے
گلیت	گلگت
گاوء	گائے
ژرو	جارو

اسی طرح بلتی زبان کے کچھ الفاظ بھی ملاحظہ ہوں جو کہ اردو تلفظ سے مزین ہیں:

بلتی	اردو سے متاثرہ لہجہ
امو	اماں
خچسپہ	چسپہ
سکاردو	سکردو
کواڑو	کواردو
سنیو رنا	نیوررنگا

خسوم	سوم
کوژورا	کچورا

ان الفاظ میں دیکھا جاسکتا ہے کہ جہاں لسانی ہم آہنگی کا فقدان تھا وہیں ایک نیا لہجہ اور تلفظ جنم لینے لگا۔ ان مقامی زبانوں میں ایسے الفاظ کی بہتات ہے جن کا تلفظ کرنا اردو والوں کے لئے ممکن نہیں اس لئے وہ ان الفاظ کو اردو تلفظ میں ڈھال کر ادا کرتے ہیں یوں ایک نیا لفظ وجود نئے املا کے ساتھ وجود میں آتا ہے۔

یہ طے شدہ ہے کہ جن الفاظ کا سرے سے کوئی حرف تہجی اردو میں موجود نہیں وہ اردو میں اپنے انداز سے لکھے جاتے ہیں۔ بلتی میں ساکن حرف سے بھی چونکہ لفظ کا بنانا ممکن ہے جبکہ اردو میں ایسا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ پہلا حرف ساکن ہو۔ اس لئے بلتی کے وہ تمام الفاظ جن کا حرف اول ہی ساکن ہو وہ اردو میں حرف دوم سے پڑھے اور تلفظ کئے جاتے ہیں مقامی لوگوں میں بھی بہت لوگ اس اغلاط کے شکار ہیں ڈاکٹر نذیر بیسپا کے مطابق :

> ”آج گلگت بلتستان کی نئی نسل کی اکثریت نہ اپنی مادری زبان درستگی اور اصالت کے ساتھ بولنے کے قابل ہے اور نہ ہی اردو زبان کو درستگی کے ساتھ بول سکتی ہے۔ میرے خیال میں آج کل کی نئی نسل لسانی اعتبار سے آدھا تیترا آدھا بٹیر ہیں۔ اگر میں بلتی کے حوالے سے بات کروں تو لوگوں کی اکثریت آج بلتی زبان کے الفاظ درست تلفظ اور لہجے کے ساتھ نہیں بول سکتے اور لکھنا بھی ممکن نہیں۔“(30)

دونوں مقامی زبانوں پر اردو لہجوں اور تلفظ کے اثرات کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اس جانب توجہ نہ دی گئی تو یہ اثرات مزید بڑھ سکتے ہیں۔

ii۔ مقامی الفاظ میں اردو کے دخیل اور مستعار الفاظ

اردو کے اس اثر کو دوران تحقیق بہت زیادہ دونوں مقامی زبانوں میں دیکھا گیا۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جانہ ہو گا کہ اردو کے دخیل الفاظ کا ایک بڑا ذخیرہ اب شینا اور بلتی کا سرمایہ بن چکا ہے اور ان کو الگ کر کے بلتی یا شینا لغات کا ترتیب دینا ممکن نہیں۔ بڑی زبان ہونے کے ناطے اردو نے ان زبانوں پر اپنا سکہ جمایا۔ تحریری ادب کے ارتقانے اس ضمن میں مزید فکری پہلوؤں کو جنم دیا۔ محققین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ اردو کے بغیر

اب بلتی اور شینا لغات کو آگے بڑھانا ممکن نہیں۔ اردو کی آمد کے بعد لفظوں کا ایک سمندر تھا جو ان مقامی زبانوں کو کسی حد تک بہالے گیا۔ پروفیسر امین ضیا نے شینا اردو لغت میں ان دخیل الفاظ کو جمع کر کے شینا زبان کا حصہ بنایا اور اس کی توجیح یوں دی ہے:

> ''ہمارا علاقائی اور لسانی ورثہ بعض دیگر زبانوں کے صوت و مخرج کی ادائیگی سے فطرتا معذور ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنے کی کوئی معقول توجیح اور دلیل موجود نہیں۔ دنیا کی منتخب اور معتبر ترین عربی زبان بھی ایسی عذر داریوں سے خالی نہیں اس لئے جینیاتی اور ارتقائی مخارج الصوات کے ورثے کے بنا پر شینا میں دخول تمام زبانوں کے الفاظ کو شینا صوت، لہجے اور تلفظ میں لکھا گیا ہے۔''(31)

دونوں زبانوں کے مرتب شدہ لغات میں جہاں بے تحاشا الفاظ اردو کے ہیں وہیں ہمیں یہ بھی دکھائی دیا کہ بلتی اور شینا کے مطبوعہ ادب میں بھی اردو زبان کی بہتات ہے، اردو زبان کے الفاظ کی بلتی شینا زبان میں داخلے کے اسباب تعلیم، روزمرہ معمولات میں اردو کا استعمال، غیر مقامی افراد کے ساتھ گفتگو، غیر مقامی افراد کی آبادکاری، مقامی لوگوں کی ہجرت، سمیت تکنیکی اسباب بھی ہیں جن میں نئے الفاظ کی کمی، ایجادات کی وسعت، اردو کی ضخامت وغیرہ نمایاں ہیں۔ اکبر حسین اکبر نے شینا اور اردو کے مشترک الفاظ اجاگر کئے تو لفظوں کی زنجیر بن گئی جس پر خود اکبر حسین اکبر بھی حیران ہیں:

> ''اس مختصر سے جائزے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عملی رکاوٹوں کے باوجود گلگت میں اردو نے ایک قلیل عرصے میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ اردو نے یہاں جتنی سرعت سے قبول عام حاصل کیا ہے کوئی اور زبان اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی اب وقت آگیا ہے کہ اس خوشگوار ماحول سے فائدہ اٹھایا جائے۔''(32)

اردو الفاظ مقامی زبانوں میں دو طریقوں سے داخل ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ سرے سے لفظ نے ہی مقامی الفاظ کی جگہ لے لی جبکہ دوسرا یہ کہ مقامی الفاظ نے اپنا رنگ بدل کر نئے الفاظ کی شکل اختیار کر لی۔ سید عالم کے مطابق اب صورت حال یہ ہے کہ ان الفاظ کو شینا یا بلتی میں ادا کرتے ہوئے تاثر یہ پایا جاتا ہے یہی مقامی زبانوں کے اصل الفاظ ہیں:

"دونوں زبانوں میں بہت سے ذخیرہ الفاظ مشترک ہونے کی وجہ سے گلگت اور اس کے اردگرد رہنے والوں نے اردو کو بہت جلد اپنالیا۔ البتہ ان الفاظ میں بعض الفاظ اور اشیا کے نام اردو کے رواج سے پہلے ہی شینا میں موجود تھے۔"(33)

جو الفاظ اردو کے اثر سے رائج ہوئے ان کا تلفظ عین اردو جیسا نہیں ہے بلکہ ان میں نئی بگاڑ پیدا ہو گئی ہے اور ان کا املا بھی نیا بن چکا ہے۔ یعنی ان کو ہم اردو سے متاثرہ الفاظ کا نام دے سکتے ہیں۔ ذیل میں ایسے الفاظ کی کچھ مثالیں دی جارہی ہیں جن کا آہنگ اور بناوٹ اردو سے صاف مماثلت رکھتا ہے مگر ان کو اردو زبان کا براہ راست لفظ نہیں کہا جاسکتا:

شینا	اردو	شینا	اردو
دادو	دادا	تارو	ستارہ
تماکو	تمباکو	عیت	عید
دُو	دو	اشپ	اسپ
ست	سات	سانت	ساتھ
چہ	چائے	شما	شمع
مُولو	مولی	شمیٹ	شام کو
پا	پاوں	گاگ	گاہک
گاو	گائے	پھنکا	پنکھا
سوری	سورج	دوت	دودھ
بڑو	بڑا	روٹ	روڈ
موہ ٹی	مٹی	راتی	رات

بلتی زبان میں بھی حالات کچھ مختلف نہیں یہاں بھی اردو سے دخیل مگر بدلے ہوئے املا اور تلفظ کے الفاظ کی بہتات ہے:

بلتی	اردو	بلتی	اردو

چہ	چائے	مولو	مولی
بلا	بلی	مزوری	مزدوری
اوزُو	وضو	بتیک	بطخ
ٹیکٹر	ٹریکٹر	چمس	چمچ
بودھو	بدھ	انچار	اچار

اسی طرح وہ الفاظ جو کہ انگریزی سے اردو میں آئے اور ان کو اردو میں اب رائج کیا گیا ہے ان کو بھی ایک مخصوص بگاڑ کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے:

اردو	بلتی	شینا
سوزوکی	سوسکی	سوک سوکی
فون	پھون	پھون
ڈاکٹر	ڈاغڈر	ڈاکٹر
الٹراساونڈ	الٹراسون	الٹراسون
فیشن	پھیشن	پھیشن
ڈاٹسن	ڈاکسن	-----
کوسٹر	کوشٹر	کوشٹر
موٹرسائیکل	موٹ سیکل	موٹور سیکل
فرائی پین	پھرپھن	پھرائی پان
ڈرائیور	ڈریور	ڈریور
ٹیسٹ	ٹیس	ٹیس

مقامی سطح پر ان الفاظ کے تلفظ میں خواندگی یا ناخواندگی کا کوئی معیار نہیں ہے۔ یعنی ایک اچھا خاصا پڑھا لکھا شین یا بلتی بھی جب مقامی زبان میں بولے، پڑھے یا لکھے گا تو ان الفاظ کو ایسے ہی برتے گا اگرچہ وہی شخص اردو میں لکھتے، پڑھتے یا بولتے وقت درست تلفظ اور املا کا خیال رکھے گا۔ بقول پروفیسر عثمان "ہماری

زبان میں بہت سے الفاظ اب ایسے ہیں جن سے ہمارے بچے نابلد ہیں کیونکہ اب ان کی جگہ اردو اور انگریزی کے متبادل دستیاب ہیں"۔[34]

مقامی زبانوں میں اردو کے دخیل الفاظ کا دوسرا پہلو خالص اردو کے الفاظ کا ان زبانوں میں داخلہ ہے اور یہ الفاظ صاف اردو تلفظ ،لہجے اور صوتیات کے ساتھ ادا ہوتے ہیں۔شینا زبان میں اردو کے الفاظ کتاب، آستانہ ،آم ،آسمان ،اخبار ،اذان،افسوس،جان،بابو،پارٹی ،آرام ،بیمار ،ٹنکی ،ثابت ،جادو ،چادر ،جالی، قابل،راجہ،ہفتہ،سال اور ان جیسے بے تحاشا الفاظ عین اردو کے ہی لہجے اور معانی میں استعمال ہوتے ہیں اسی طرح بلتی میں آم،مالٹا، مدرسہ، کیلو، درجن، سکول،وزیر، دیگ، چپ،عدالت، محرم،ماتم سرا،مکر، چوک ،مکار،معیاد، سجدہ، اصلی،مبارک جیسے الفاظ اردو کے معنی اور لہجے میں ہیں مستعمل ہیں۔بلتی کے متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کو ترک کرکے ان کی جگہ اردو کو رائج کر دیا گیا ہے ان متروکات کو بابائے بلتی معروف شاعر اخوند حکیم نے دوبارہ جمع کرنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔

حوالہ جات

1۔ ممتاز منگلوری، ڈاکٹر، مختصر تاریخ زبان و ادب گلگت بلتستان، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2009، ص12

2۔ عظمیٰ سلیم، ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2008، ص60

3۔ خاور عبد الحمید، تاریخ اقوام دردستان و بلورستان، یونین پیکیجز انٹر پرائز، کراچی، ایڈیشن اول، 2009، ص311

4۔„Carla F Radllof,Aspects sond system of Gilgiti Shina,Quied e Azam university ,Lahore، ,1999,page23

5۔ پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا شمالی علاقہ جات، لوک ورثہ پاکستان / الفیصل پبلشرز، اسلام آباد، 2004، ص71

6۔ کاشف رضوی, سید، پاکستانی زبانیں، آصف ہاوس یاسمین روڈ, اسلام آباد، 2007، ص159

7۔ محمد یوسف حسین آبادی، بلتستان پر ایک نظر، بلتستان بک ڈپو, سکردو، طبع اول، نامعلوم، ص143

8۔ پھچو اقبال، اے گے، ٹی ایس پرنٹرز پنڈی، راولپنڈی، جنوری 2003، ص13

9۔ محمد نذیر، مطالعہ بلتستان، شبیر پرنٹنگ پریس سکردو، طبع اول، 1996، ص163

10۔ اکبر حسین اکبر، اردو اور شینا کے مشترک الفاظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع اول 2006، ص9

11۔ محمد حسن خان اماچہ, ڈاکٹر، نصاب شاعری اور فارسی بلتی لغت، عماچہ فاونڈیشن, شگر، طبع اول، 2005، ص7

12۔ عثمان علی پروفیسر، خطہ قراقرم کی زبانیں اور معاشرہ، مقبول اکیڈمی انار کلی, لاہور، 1996، ص32

13۔ محمد شجاع ناموس ڈاکٹر، گلگت اور شینا زبان، اردو اکادمی, بہاول پور، 1901، ص122

14۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، ص125

15۔ محمد شجاع ناموس ڈاکٹر، گلگت اور شینا زبان، ص122

16۔ محمد امین ضیا پروفیسر، شینا اردو لغت، ضیا پبلی کیشن، گلگت، 2010، ص•

17۔ شکیل احمد شکیل، دی دی شلو کے، انفارمل کمیٹی فار شینا پروموشن، گلگت، طبع اول 2007، ص، ندارد

18۔ حسرت محمد حسن، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2004، ص14

19۔ حسین آبادی محمد یوسف، تاریخ بلتستان، بلتستان بک ڈپو، سکردو، 2015، ص 321

20۔ صبا محمد علی شاہ، بلتی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، طبع اول، 2003، ص 1

21۔ حسرتمحمد حسن، پاکستانی زبانیں مشترکہ لسانی ورثہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2009ص،444

22۔ عظمی سلیم، ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، طبع اول، 2017، ص66

23۔ حسرت محمد حسن، شمالی علاقہ جات کی زبانیں، ص15

24۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، ص369

25۔ رازول کوہستانی، شینا زبان اور اس کا رسم الخط
https://wemountains.com/ur/01/02/1008/، 3نومبر 2020, بوقت 10:15pm

26۔ عبدالصبور، (انٹرویو) از عارف حسین، 15نومبر 2020، بوقت، 6 : 30pm

27۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، ص359

28۔ اکبر حسین اکبر، اردو اور شینا کے مشترک الفاظ،، ص10

29۔ ذکیہ بتول نجفی، (انٹرویو) از عارف حسین، اسلام آباد، 20اکتوبر2020، بوقت 2 بجے دن

30۔ نذیر بیسپا ڈاکٹر، سوال نامے کا تحریری جواب، 18اکتوبر، 2020

31۔ محمد امین ضیا پروفیسر، شینا اردو لغت، ص ۰

32۔ اکبر حسین اکبر، اردو اور شینا کے مشترک الفاظ،، ص20

33۔ سید عالم، شمالی علاقہ جات میں اردو، نیشنل بک کونسل پاکستان، 1999، ص28

34۔ عثمان علی پروفیسر، خطہ قراقرم زبانیں اور معاشرہ، ص32

باب چہارم:

شینا اور بلتی ادب پر اردو کے ادبی اثرات

الف: شینا اور بلتی ادب کا روایتی رنگ و آہنگ

i۔ شینا اور بلتی شاعری: افکار و موضوعات:

شینا اور بلتی لوک ادب میں منظوم ادب دونوں زبانوں کا وہ قیمتی سرمایہ ہے جو کہ دونوں زبانوں میں نمایاں ہے اور یہ زبانیں منظوم ادب کی وجہ سے زندہ ہیں اور ان زبانوں کے پھیلاو میں منظوم ادب کا بہت اہم کردار ہے۔ شینا اور بلتی دونوں زبانوں میں شاعری کی تاریخ قدیم ہے اور پرانے دور سے یہاں شاعری سے مراد گانا لیا جاتا رہا ہے۔ شینا میں اسے "گائے" جبکہ بلتی میں "خلو" کہا جاتا تھا جس کا مطلب گانا ہے۔ آمد اسلام سے قبل اس خطے میں جو شینا یا بلتی شاعری ہوتی تھی ان میں مقامی عقائد، کلچر اور رواجات کی عکاسی ملتی ہے شینا کی قدیم شاعری کو دیکھا جائے تو ان میں برانگی گائی یعنی شادی بیاہ کے گیت، دروج گائی شکاری گیت، دائی گائے گرمیوں کے گیت جیسے عنوانات ملتے ہیں۔ اگرچہ بلتی میں خلو گانے کو کہا جاتا ہے لیکن محققین نے اس مطلب کو رد کر کے خلو سے مراد ہی شاعری لی ہے۔ بلتی شاعری میں ژگیانگ خلو، زدرونگ خلو، بودھ خلو اور خلو چار اصناف واضح تھیں۔ ان علاقوں کے موسمی حالات، رسوم ورواج اور عقائد کا بھی گہرا اثر مقامی شاعری میں نظر آتا ہے۔ دیومالائی قصے ہوں کہ جنگی جذبات کے نغمے، خوشیوں کے دنوں کا منظوم اظہار یہ ہو کہ غموں کی کتھا سب میں ایک منفرد رنگ جھلکتا ہے۔ اردو کی طرح اگر بلتی کو ادوار میں تقسیم کیا جائے تو قدما، متوسطین اور عہد جدید میں بانٹ کر اس منظوم ادب کو اگر پرکھا جائے تو عہد قدیم روایتی گانوں سے مزین شاعری ہے متوسطین کے عہد میں آمد اسلام کے بعد مذہبی شاعری کا رنگ نمایاں ہے جبکہ عہد جدید میں قیام پاکستان کے بعد بدلتے شعری رجحانات شامل نمایاں ہیں۔ دونوں مقامی زبانوں کی ادبی اصناف بھی زیادہ واضح نہیں ہیں اگرچہ تکنیکی سطح پر دیکھا جائے تو ان میں اوزان اور بحور کی بھی تمیز نہیں برتی گئی دونوں مقامی زبانوں کے منظوم ادب کا آغاز لوک گیتوں پر ہے جو کہ اس عہد قدیم کی عکاس تھیں۔ اس ضمن میں محققین نے شینا کی شاعری کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے ان ادوار میں فکری، اسلوبی تقابل کی بجائے شعرا کے افکار کو زیادہ اہمیت دی گئی

ہے۔ڈاکٹر ممتاز منگلوری نے اپنی کتاب میں شینا کے قدیم ترین شاعر کو "دنیل گلیٹو" کے نام سے لکھا ہے۔عبد الخالق تاج کی کتاب شینا زبان اور ادب میں فضل الرحمن عالمگیر نے قدیم شینا شاعری پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''دنیائی ہر باشے شری شینا باشر گہ جگ سے چل زمانو
جو شاعر تھوبو آئَی ،شعر شینا شاعری موک گائیو
صورتراسل۔آزمانیر گائیو بودھ سادہ اصل ،اے نور شاعر
سے توم جذبات خوبصورت انداز بیان سیتھیل ''[1]

ترجمہ: دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح میں شینا زبان میں بھی عہد قدیم سے شاعری ہو رہی ہے۔اس دور میں شاعری لوک گیتوں کی صورت میں ہوتی تھی۔ اس زمانے کے لوگ گیت بہت سادہ ہوتے تھے جبکہ شعرا خوبصورت انداز میں جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

اب بلتی زبان کی جانب دیکھیں تو صورت حال مختلف نہیں۔ادھر بھی شاعری کا عہد قدیم لوک گیتوں پر مشتمل ہے۔بلتی شاعر اخوند حسین حکیم کے مطابق:

''خلو کے لفظی معنی سکد یعنی آواز خواہ وہ خوشی کے ہوں یا غم کے ہوں۔میرے نزدیک بلتی زبان میں لفظ خلو کا لوگ غلط مطلب نکالتے ہیں اصل میں بلتی کے حساب سے دیکھا جائے تو حمد کو ستود درا، مرثیہ کو گیود خلو، قصیدے کو ستود خلو کہنا چاہیئے اسی طرح قدیم خلو ہماری شعری اساس ہے۔''[2]

اس تناظر میں اگر ہم عہد قدیم اٹھا کر دیکھیں یہاں فکر پر توہمات اور افسانوی عقائد کی چھاپ نظر آتی ہے۔قدیم شینا شاعری میں رومانوی اثر بھی تھا اور یہ مزاج اب بھی بر قرار ہے۔ایک شینا رومانوی کلام ملاحظہ ہو:

تو ھن گھینچو بجے سومو ڈیمم مم
می شاہینوں مینے تو دس سلام رز
ہری گئی زئی دے مو بجج مسس
ممد خانی سونی موسس شیم تتک
موڑوے تو موس ڈب ددریدم

ترجمہ:شاعر کی محبوبہ گیچ نامی علاقے میں رہتی ہے اور شاعر اپنے دوست سے مخاطب ہے۔اے میرے پیارے دوست تو گیچ جا رہا ہے تو میری محبوبہ شاہینوں کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ میں گھر کیسے جاوں میری ماں نہیں ہے

ایک سانپ جو کہ سوتیلی ماں ہے مجھے ڈسنے کو تیار بیٹھی ہے۔ اے محمد خان کی باعزت بیٹی میں ساز بجاوں گا مجھے بانسری دے جسے میں اپنے پاس رکھ سکوں۔

یہاں وہ نازک خیالی بھی نظر آتی ہے جو کسی بھی زبان میں شاعری کا خاصہ ہے۔ اس رومان پسند مزاج کو بلتی قدیم شاعری میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ جہاں شاعر نے اس قدر ڈوب کر اظہار محبت کیا ہے کہ شعر رومانوی ادب کا شاہکار بن جائے۔ بلتی لوک گیت میں عباس کاظمی نے ایک رومانوی گیت "خیر ملانو" بھی رقم کیا ہوا ہے اس گیت کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

''خسیر ملانو سترونگسے دوکپا تا انوے نلا خا فوغید
اتا انوے خا فوقنارے سی ناسی بلی بوشش زونونک ہے
خسیر ملانو ینگ شخنا رے لے ہرکانہ یمولہ سنونپو تری
مید لے ۔''[3]

ترجمہ: اگر میں خیر ملانو کا انتظار کرتا رہوں تو میرے ماں باپ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے
اگر میرے میرے ماں باپ ناراض ہو جائیں تو میں ان سے معافی مانگ لوں گا
خسیر ملانو تمہاری قسم، تمہارے نہ آنے سے کھیتوں کی ہریالی ختم ہو جاتی ہے

ان مقامی زبانوں کے قدیم شعری افکار توہمات اور افسانوی یا دیومالائی عقائد سے بھی مربوط ہیں اور ان کا اظہار قدیم شعرا کرتے رہے ہیں۔ قدیم بلتی اور شینا شاعری میں فکری طور پر توہماتی اور افسانوی اثرات نمایاں ہیں۔ ان علاقوں میں چونکہ راجاوں کی حکومت رہی اس لئے یہاں جنگی واقعات کو بھی شعری قالب میں ڈھالا گیا۔ ان گیتوں میں عموما گزرتے واقعات کو قلم بند کیا جاتا تھا اس لئے ان کا ماحول تلمیحاتی تھا۔ برق مایو ر، شاہ بہرام چو، بونو مریم، چوپہ حسن خان، چو حیدر خان، وغیر ایسی مثالیں ہیں جن گیتوں میں سارا ماحول تلمیحاتی ہے۔ دونوں قوموں کا پسندیدہ مشغلہ شکار رہا ہے اس لئے ان دونوں زبانوں میں شکاریوں کے گیت بھی نمایاں ہیں۔ اسلام کی آمد کے بعد یہاں شاعری کے مزاج میں بڑی تبدیلی آئی۔ حمد، نعت، مناقب، مرثیہ اور نوحوں نے توہماتی موضوعات کو ہٹالیا اور اس مذہبی مزاج کا اثر آج بھی مقامی ادب میں ہے۔ شعرا نے تصوف اور عرفان کو جب اشعار میں جگہ دی تو فرضی خیالات عقائد میں ڈھل گئے۔ اس ضمن میں جریدہ بلورستان میں فضل الرحمن عالمگیر نے یوں نشاندہی کی ہے ''اس علاقے میں جب اسلام کا نور پھیلا تو جہاں دوسرے غیر

اسلامی رواج ختم ہوئے وہاں شعر و شاعری کو بھی دھچکا لگا، آہستہ آہستہ عوامی تہواروں میں ناچ گانے کا رواج ختم ہو گیا۔ ''[4] اسلام کی آمد کے بعد شعرا کی فکری تربیت اس طرح ہونے لگی کہ وہ اس شعبے کو تبلیغ دین کا وسیلہ سمجھنے لگے۔ اب تصوف، عرفان، اخلاقیات، اصول دین، اصلاح معاشرہ، عقیدت برائے خالق کائنات، قرآن شناسی، مود اہل بیت اور مصائب اہل بیت کو شعری ادب میں بہت زیادہ جگہ ملی اور ان کو موضوع سخن بنایا گیا۔ شینا کے قدیم شعرا میں اخوند محمد رضا کا نام خصوصی طور پر لیا جاتا ہے۔ ان کے ایک کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

گنہگار تو ہون بو صفت رہ خدائے
مجار تھے نے نرجہ دنیاتیئ بلائے
سسن ناس شیطان شالوک تو واری
خبر دی اکو در زمینی بلائیٹ

ترجمہ: اے گنہگار انسان خدا کی صفت بیان کر اور دنیا کی بلاوں میں خود کو غلطاں نہ کر۔ شیطان ملعون تیرے لئے جال بنا رہا ہے۔ تو ان سے بچ اور عذاب کی فکر کر۔

یہ نہج اب بلتی شاعری میں بھی نظر آتی ہے کہ جہاں اسلام کی آمد گلگت سے بھی پہلے ہوئی قدیم بلتی شاعر زاکر علی زاکر کا ایک شعر فکری تبدیلی کی جانب یوں عکاسی کرتا ہے:

آدم نہ ہرژیسے کھیونگسے نبیونگ ان شرفی رگو
ان ہلژخمہ محمد ص دی رگوبینگ نہ فیسے سے رگو

ترجمہ: آدم سے لے کر تمام انبیاء شرف رکھنے والے ہیں تاہم ان میں سب سے اعلی مقام حضرت محمد ﷺ کا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد یہاں کی لوکل شاعری نے ایک اور کروٹ بدلی اب رزمیہ اور مذہبی عنوانات کے ساتھ ساتھ یہاں ملی رجحان بھی بڑھنے لگا۔ غزلوں، گیتوں کے ساتھ ساتھ ترانوں کی تخلیق بھی ہونے لگی۔ اردو خیالات کا ترجمہ بھی ہوا۔ ملی نغمے، علاقائی ترانے اور رومانوی گانے بھی نئے اسلوب سے آراستہ ہو گئے۔ ادب کی یہ کروٹ بہت دلچسپ صورت حال اختیار کر گئی۔ اب فکری طور پر نئے نئے موضوعات جنم لے رہے تھے۔ مزاحمت، ترقی پسندی، ظلم کے خلاف شعری جہاد، حب الوطنی وہ نئے موضوعات ہیں جن کو شینا اور بلتی شعرا نے خوب نبھایا۔

ii۔ شینا اور بلتی شاعری: اصناف

شینا اور بلتی کی قدیم اصناف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں زبانیں ابتدا میں مقامی یا تہذیبی اصناف سے آراستہ تھیں۔ بلتی میں چار اصناف ڑگیانگ خلو، بودھ خلو، زدرونگ خلو اور خلو تھے جبکہ شینا میں شعر فی اصناف کو اگائے، دادی گائے، گراگائے، برانگئے جیسے اصناف موضوعاتی سے لیس دیکھا جاسکتا ہے۔ ان قدیم اصناف میں بجائے ہیتی تقاضوں، اوزان، بحور اور قوافی ردیف کے جس پہلو پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی وہ موسیقیت تھی۔ خالص دیسی موسیقی کے ساز تھے جن طرزوں پر شاعر خیال کہہ دیتا تھا۔ ان کا پیمانہ رسمی تھا اور شاعری میں مروجہ طرزوں کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ یہ طرز عمل اب بھی مقامی شاعری میں کسی حد تک مستعمل ہے۔ قدیم شاعری کو اگر ہم عہد جدید کے مروجہ اصناف میں رکھ کر دیکھیں تو ان سب پر گیت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور کچھ نیم آزاد گیت ہیں۔ اس ضمن میں اردو گلگت بلتستان کے اردو انسائیکلو پیڈیا کے مطابق:

> ''شینا شاعری بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی شینا زبان ہے۔ لیکن بد قسمتی سے اس زبان کا کوئی نثری یا شعری فن پارہ محفوظ نہیں۔ شینا ادب بھی دیگر زبانوں کی طرح لوک گیتوں پر مشتمل ہے۔ یہ لوک گیت ازمنہ قدیم سے لوگوں میں سینہ بہ سینہ محفوظ چلے آرہے ہیں۔''(5)

بلتی شاعری کو ادوار کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہاں ابتدائی صورت حال شینا سے کچھ مختلف نہیں۔ بطور صنف یہاں شاعری کی ابتدائی شکل لوک گیتوں پر مشتمل نظر آتی ہے۔ بلتی لوک گیتوں کو بھی بطور صنف اگر ضم کیا جائے تو یہ نیم آزاد گیت نظمیں ہیں جن پر گیت کی تعریف کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بلتی قدیم لوک گیتوں پر وزیر حمایت حسین اپنی کتاب میں یوں تبصرہ کرتے ہیں ''بلتستان کے لوک گیت اتنے ہی قدیم ہیں جتنا یہ خود خطہ۔ قافیہ ردیف کی پابندیوں سے آزاد قدیم کلاسیکی شاعری پر مبنی یہ لوک گیت آزاد شاعری کے نادر نمونے ہیں۔''(6) ارتقائے زمانہ کے ساتھ گلگت بلتستان میں فارسی، عربی اور اردو کی آمد نے یہاں کی شاعری کو موضوع اور ہیت دونوں لحاظ سے نئی نئی اصناف سے مزین کیا۔ جو شاعری کل تک لوک گیتوں تک محدود اور ایک مخصوص مزاج رکھتی تھی ان کے لئے ماحول بدلنے لگا۔ فارسی اور عربی یہاں اسلام کے ساتھ

آئیں اس لئے ان زبانوں نے بہ یک وقت ہیتی اور موضوعاتی دونوں پہلوؤں میں لوکل شاعری کو متاثر کیا اور ان میں اضافہ کیا۔ حمد، نعت، مدح، استغاثہ، مرثیہ، نوحہ اور عشقیہ و عرفانی غزلوں نے بھی یہاں جگہ بنالی۔ ان اصناف کو اگر ہیئتی صنف کے زاویے سے دیکھا جائے تو یہاں قافیہ، ردیف، اوزان، بحور کا استعمال فارسی ادب کے تابع ہو گیا۔ جلوہ شمال میں عبد الخالق تاج لکھتے ہیں کہ ''شینا شاعری بھی اردو، عربی، فارسی کے زیر اثر ان کی تقلید میں عروض اور ردیف میں ڈھلنے لگی۔''(7)

متقدمین کے اس دور میں شینا اور بلتی شاعری میں جو بحریں اور اوزان استعمال ہوئے اگرچہ وہ فارسی کے ہیں جبکہ قدیم شینا اور بلتی میں فارسی کے مصرعے بھی موجود ہیں تاہم آگے چل کر یہ شاعری بہت شستہ اور خالص مقامی زبان میں ہونے لگی۔ انیسویں صدی میں شینا شاعری کے اصناف کسی حد تک وضع ہو گئے تھے لیکن ان اصناف کا داخلہ بیرونی زبانوں سے ہوا تھا۔ حمد مناقب، دعا کو بھی منظوم کیا جانے لگا۔ رحمت جان ملنگ پہلا شاعر ہے جس نے اصناف و ہیئت کو شینا شاعری میں ملحوظ رکھا اور شعری مزاج کو بھی تصوف سے ہم آہنگ کیا۔ ملنگ کا بھی زیادہ کلام فارسی میں ہے لیکن جو شینا شاعری دستیاب ہے اس معیار مختلف نظر آتا ہے۔ ان کا ایک صوفیانہ کلام کچھ یوں ہے:

دناتر کھون تھے تھونسس ہیکے تیار پھت تھے بونس
بے نہ مرے تھے رونس شرمندہ بے تو کسے وونس

ترجمہ: دنیا میں کھانے کے لئے کماتے ہیں اور تیار کرنے کے بعد چھوڑ جاتے ہیں۔ موت کے خوف میں زندگی مانگتے ہیں اور پھر شرمندہ ہو کر تیرے دربار آتے ہیں۔

بلتی میں بھی اسلام کی آمد کے بعد نئی اصناف نے جگہ لی۔ یہاں عہد قدیم میں حمد کو خدا پی خلو، مناقب کو امام پی خلو کہا جاتا تھا۔ بعد میں خلو کا لفظ صرف گانوں کے لئے مختص ہو گیا۔ یہاں ایک بات قابل توجہ ہے کہ بلتی میں اردو کے برعکس مرثیہ کے لئے غزلیہ ہیئت کا انتخاب کیا جاتا ہے، گویا یہاں کے مرثیے دو مصرع ہوتے ہیں۔ یوسف حسین آبادی کے مطابق بلتی کے عہد اولین کی شاعری کا کوئی بھی تحریری ریکارڈ موجود نہیں بلکہ یہ سینہ بہ سینہ چلی آرہی ہیں۔ بلتی میں بحر طویل کو باقاعدہ اصلاح معاشرہ اور طنز و مزاح کے لئے مستعمل ایک صنف سمجھا جاتا ہے، اس بحر میں لکھے گئے کلام کو عنوان کی بجائے بحر طویل کے نام سے ہی پکارنے کا بھی رواج

ہے۔ بلتستان کے راجگان نے منظوم ادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرف بلورستان رسالہ میں راجہ محمد علی شاہ صبا کا لکھا ہوا مضمون بہت معلوماتی ہے جس کا ایک حصہ کچھ یوں ہے:

"راجہ احمد شاہ کے فرزندان گرامی ،راجہ حسین خان محب ،لطف علی خان،عاشق،امیر حیدر اماچہ،مراد علی خان مراد،حاتم علی خان بیگو،بابا جوہر علی جوہر ،عباس علی شاہ وغیرہ شعرا کرام کے کلام میں نعتیہ اشعار کا انبار ہے۔ یہ ممدوحین کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتے تھے جس کی عکاسی ان کا کلام کرتا ہے۔ مدحیہ اور نعتیہ اشعار کے علاوہ یہ شعرا تفنن طبع کے لئے دوسرے اصناف سخن پر طبع آزمائی کرتے تھے۔ نمونے کے طور پر چند ایک غزلیں،واسوخت،شہر آشوب اور نغمے بھی ملتے ہیں۔"(8)

قیام پاکستان کے بعد یہاں ترقی پسند اور ملی جذبات سے سرشار منظوم ادب تخلیق ہوا۔ موضوعاتی اصناف میں ملی نغمے اور آزاد نظموں کا بھی دور شروع ہوا۔ جبکہ ہیئت کے لحاظ سے مستزاد، ترکیب بند، ترجیع بند، مثمن، مربع، مسدس اور مخمس سمیت رباعی اور قطعات بھی کہے جانے لگے۔ ان میں مذہبی شاعری کا ایک بہت بڑا ذخیرہ مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے۔ اس دور کو ابھی تک جدت پسندی سے نوازا جارہا ہے۔ اب جوں جوں بڑی زبانوں میں اصناف ادب متعارف ہورہی ہیں وہ بلتی اور شینا میں بھی جگہ بنارہی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے ترانے اردو اور پشتو ادب سے متاثرہ ہیئتوں کے گیت ،اردو کلام کے کسی مصرعے یا عموما کسی غزل کے مطلع کو سرنامہ رکھ کر اشعار مقامی زبانوں میں کہنے کا بھی تجربہ تیزی سے جاری ہے۔ جدید شینا شاعری کی اصناف پر شینا کے جدید لب ولہجے کے شاعر ظفر وقار تاج کا کہنا ہے:

"شعری اصناف خواہ موضوعاتی ہوں کہ ہیئتی اگر وہ کسی معاشرے سے دوسرے معاشرے میں پہنچ کر مقبول ہوئیں تو مقامی ادب نے ان اصناف کو قبول کرلیا۔ یہی وجہ ہے کہ شینا ادب میں اب جدید اصناف سخن کو قبولنے اور ان میں تجربات کا سلسلہ جاری ہے۔ یوں مقامی اصناف میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔"(9)

عہد قدیم سے اب تک شینا شاعری کا سفر غیر منظم لوک گیتوں سے نکل کر اصناف شعری سے مزین ہو چکا ہے۔اب ہجو، مثنوی، نظم معریٰ پر بھی لوکل شعرا طبع آزمائی کر رہے ہیں۔

iii۔ شینا اور بلتی شاعری: آہنگ و اسلوب

لوک گیتوں سے آغاز پانے والا شینا بلتی شعر ادب چونکہ واقعات اور سانحات کی صورت حال کو خیالی پس منظر میں رکھ کر ترتیب دیا گیا تھا اس لئے ان زبانوں میں شعری آہنگ و اسلوب پر بات کرتے ہوئے عہد اولین سے متعلق یہ رائے قائم کرنے میں دیر نہیں لگتی یہ شینا اور بلتی شاعری تلمیحاتی اسلوب سے پُر تھی جبکہ سادہ لفظیات اس منظوم ادب کا طرہ امتیاز تھا۔یہ شاعری رزمیہ ہوتی تھی لیکن ان میں المیاتی قصوں سے بھی اکتساب نظر آتا ہے۔ان میں موسیقیت کو بنیاد کی حیثیت حاصل تھی۔ لفظوں کو سادگی سے برتا جاتا تھا، قوافی کا کسی حد تک خیال رکھا جاتا تھا مگر قوافی کو اصول کی حیثیت حاص نہ تھی۔ایک مشہور شینا چنی گائے یعنی شادی کے گیت میں کے اشعار میں یہ لحاظ ملاحظہ ہو:

میون گا پالو ،لوچھری تارو ،
اش تو دیز کہ توآلو ، خدائی کہ جل بوتا

ترجمہ: اے میرے لخت جگر، تو قسمت والا ہو گیا، تیرے لئے بخت والا دن آیا ہے، اللہ یہ دن مبارک کرے۔

یہاں پر شاعرانہ فکر میں سادگی بھی ہے جبکہ شعری آہنگ نہایت سلیس اور مفہوم سادہ ہے۔عہد اول کا دور جو کسی حد تک بند دور بھی تھا میں بھی صنائع معنوی اور لفظی کا مظاہرہ دیکھا جاسکتا ہے۔لوک گیتوں میں شامل تشبیہات اور استعارات میں ایسا آہنگ ملتا ہے کہ علاقے کی تہذیب و تمدن سے بھی متاثر ہے۔ ان گیتوں کی زبان سلیس، بامحاورہ اور فوری فہم کے لئے موثر ہے۔قدیم شینا گیتوں کے اس آہنگ پر سید عالم نے اپنی کتاب میں یوں مثال پیش کی ہے:

"۱۔شیر شاہ علی شا ہ نوتگہ
خان مقپون کھرے ھمو گرئی بوش پھوئے ہشر و نشر تھریگا

ترجمہ: شیر علی شاہ تم پر کیوں نہ فدا ہو
کہ تم نے نشیبی علاقوں کو سر کیا

اے مقپون تم نے دریائے گلگت پر پل باندھ کر فتح کیا۔

۲۔ مرزا جواری شکر میں یالی
تس دور دنیا سگ تھرگے
جی خان جالو
او مئی لچھار و ونکھتو نکھتو

ترجمہ : مرے مرزا خان کی بیٹی جواری ایک ساغر عشرت سے زیادہ نہیں۔اگرچہ تیرے حسن سے ایک دنیا روشن ہے۔اے میرے کمسن بیٹے حبیب خان قربان وہ دیکھ تیرا ستارا زوال نمودار ہو رہا ہے۔"(10)

مذکورہ بالا گیت عہد قدیم کے شعری اسلوب و آہنگ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔اس گیت کا اسلوب بہت سلیس ،صوتی طور پر مقفیٰ جبکہ تلمیح سے آراستہ ہے۔حشو و نشر تو از خود اردو میں مستعمل مرکب عطفی ہے۔ نکھتو و نکھتو میں لفظ کی تکرار کو صنائع میں دیکھا جائے تو یہ صنعت تکرار ہے۔بلتی لوک گیتوں کو اگر دیکھا جائے تو ان کا فکری آہنگ بھی تلمیحاتی ہے جبکہ تشبیہات کا ایک سیل رواں اس زبان کی پہچان ہے۔ان گیتوں میں تسلسل کے ساتھ کہانیوں کا ماحول ملتا ہے۔یعنی یہ کسی واقعے سے کشید ہیں۔ان کا اسلوبیاتی پہلو دیکھا جائے تو ان میں تشبیہات،استعارات ،صنائع لفظی کی بہت واضح جھلک ملتی ہے ، محمد عباس کھر گرونگ کے مرتب کیے ہوئے منتخب لوک گیتوں کے مجموعے میں "بونو مریم" کے عنوان سے موجود گیت نہ صرف ایک تاریخی پس منظر رکھتا ہے جس کا خلاصہ ہے کہ مفتوح قوم کی بیٹی کا فاتح قوم کو خراج سالانہ دیا جاتا تھا۔مریم کو جب خراج میں دیا گیا تو اس نے اس موقع پر جو صدا لگائی وہ المیہ اس نظم میں منظوم کیا گیا:

"اتی غوٹی ہلچنگری کھہ مندہ خسوم دوگسے تھونید
چکپو نری غوٹ اشی پا دوکتوک
اے نسکو نئی اتا نا انو دوکتوک
نری غوٹ اشی پا نہ تھوگنہ بونو چھرفی چھو خلوگین گوید زیر
ناری اتہ نا انو نہ تھوگنہ نا تھدین گوید زیر
بونو مریوم برگے رگالے کھیرید
نانا کھچول رگیہ سترونیگ مر ہرژھسی دانہ فسی لین دوکتوک
دی سکردوے یولنگ چوئے سہ مید سوک
وزیر سہ مید سوک۔ شربے سنگ مید سوک

نامہ کھیر مہ کھیر زیر کھن چی سوسہ مید سوک۔

اردو ترجمہ:

غوٹی ہلچنگرہ پر تین اشخاص بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں

ان میں ایک گونگا میرا خاوند ہے

دوسرے دونوں میرے ساس سسر ہوں گے

اگر آپ اس گونگے شخص سے ملیں تو کہہ دیں کہ مریم

آنکھوں سے برسات برساتی ہوئی چلی جارہی ہے

اگر آپ میرے ساس سسر سے ملیں تو بتادیں

کہ وہ ہنستی مسکراتی ہوئی جارہی ہے

مریوم نامی لڑکی برگے درّہ سے پار جارہی ہے

میں کشمیر میں ریشمی دھاگے کات رہی ہوں

اور ریشمی کپڑے بنوں گی

لیکن میرے سکردو تو کوئی راجہ بھی نہیں تھا۔ کوئی وزیر بھی نہیں تھا

اور عوام میں کوئی مرد جوان نہیں تھا جو کہتے کہ اس لڑکی کو مت بھیجو، مریم

کو مت لے جاو۔"(11)

گیت میں "غوٹی ہلچنگرہ" کا لفظ مقامی زبان میں چوپال کے لئے استعمال ہوا ہے۔ غوٹ اشی پا یعنی گونگا شوہر مرکب توصیفی میں ہے جبکہ یہ استعارہ در اصل اس کو مغلوب دکھانے کے لئے بھی ہے۔ چھرفی چھو یعنی اشکوں کو برسات کا استعارہ۔ مصرع بہ یک وقت دو کیفیتیں بیان کر رہا ہے۔ یہ تضاد کا ماحول بھی قابل غور ہے کہ شوہر ملے تو کہنا کہ مریم روتی جارہی ہے جبکہ والدین ملیں تو کہنا کہ مریم ہنسی خوشی جارہی ہے۔ یہ اس فطری احترام کا اشارہ ہے جو کہ بلتستان سمیت پورے مشرق کا خاصہ ہے۔ آخری بند میں جو المیہ بیان کیا گیا ہے وہ مفتوح قوم کا نوحہ ہے جس کی ناموس کو اپنے قوم کے بیٹوں سے امید نہیں رہی۔ گیت کا اسلوب شستہ، بامحاورہ اور استعارے سے مزین ہے جبکہ اس کا آہنگ المیاتی ماحول میں ہے۔

شینا اور بلتی شاعری کے اسلوب میں ارتقائی سفر میں عین وہی صورت حال ہے جو کہ زبان کی ہے۔ یہاں بھی فارسی، عربی اور اردو نے ایک گہرا اثر چھوڑا ہے۔ اصولی طور پر دیکھا جائے تو اسلوب کسی بھی زبان سے مخصوص نہیں بلکہ اس زبان کے صاحب فن سے مخصوص صلاحیت ہے۔ زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اس ہنر میں بتدریج تبدیلیاں آتی گئیں۔ مقامی شاعری میں جس طرح صنعتوں کو برتا گیا وہ قابل دید ہے۔ ٹھیٹھ دیہاتی لہجہ ،مقامی معاشرے کے لحاظ سے لئے گئے استعارے ،مقامی تشبیہات ،صوفیانہ رنگ، لفظوں میں احترام کا پہلو مقامی شعرا کا خاصا ہے۔ اس ضمن میں بلتی شاعر بوا عباس علی عباس یہ قصیدہ منفرد اسلوب رکھتا ہے:

ژوخ نوما زن سونگنا سی زیر فو خدا نی علی
ژھد سولہ کوا یود نارے مدح و ثنا نی علی
شخفنہ جق خسوم روزہ چھوہوبی کھا یار خداس
ہل اتی خوان نا دریسے کلفو زانا نی علی
ناسی جواب لزوق کھولا شقشیدی خط نا چی بیک
نا چوکی پا ان اونید دوکپا چوکیا نی علی

یہ کلام بنیادی طور پر ایک قصیدہ ہے اس میں مدح وثنا کی ترکیبات روایتی نہیں۔ شاعر نے ہل اتی کا لفظ بطور تلمیح شعوری طور پر استعمال کیا ہے۔ چوکی پا یعنی نوکر چوکیا یعنی نوکری۔ یہاں اس ترکیب میں اسم آگے جاکر اسم فاعل میں ڈھل جاتا ہے۔ زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اب شینا اور بلتی میں جدید استعارات ،تشبیہات، مجاز مرسل اور کنایوں کا استعمال بڑھتا جارہا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ دونوں مقامی زبانوں میں لسانی امتزاج سے جو اسلوب بن رہا ہے وہ اگلے ابواب میں زیر بحث لائے جائیں گے۔

iv۔ شینا اور بلتی نثر: افکار اور موضوعات

شینا اور بلتی دونوں زبانوں میں اگر ہم نثر کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زبانیں نثر میں اتنی ترقی نہ کر سکیں جتنی کہ منظوم ادب میں ان کا ارتقا نظر آتا ہے۔ ان زبانوں کا نثری سرمایہ کسی دوسری زبان کے زیر اثر دکھائی دیتا ہے۔ دوران تحقیق ڈھونڈ کر بھی کوئی ایسی صنف نہیں ملی جسے خالص ان مقامی زبانوں کی نثری صنف کہا جاسکے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان زبانوں کا نثری ادب ابتدائی ادوار میں صرف سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی لوک کہانیوں یا پھر چند خطبات تک محدود ہے۔ افسانوی اور غیر افسانوی نثر میں کوئی وافر ذخیرہ موجود

نہیں۔ البتہ لسانیات، قواعد اور ضرب الامثال وغیرہ پر کسی حد تک بعد کے محققین اور دانشوروں نے سعی کی ہے۔ شینا اور بلتی نثر پاروں کو اگر تاریخ کے پس منظر میں دیکھا جائے تو ان کا فکری موضوع توہمات اور دیومالائی خیالات سے لیس نظر آتا ہے۔ لوک کہانوں کے علاوہ لطائف، پہلیوں اور حکایات بھی ان کے قدیم نثری ذخیرے میں محدود تعداد میں موجود ہے۔ شینا کی باقاعدہ نثر نگاری کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے اگرچہ عہد قدیم میں سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیوں کی روایات ہیں مگر ان کا بیشتر ریکارڈ موجود نہیں۔ اس ضمن میں سید محمود قاسم یوں راقم طراز ہیں:

> "یہ امر قابل ذکر ہے کہ شینا زبان میں نثر کا رواج نہیں تھا۔ 1949 میں ریڈیو پاکستان راول پنڈی سے شینا پروگرام شروع کیا گیا تو شینا نثر لکھنے کی ضرورت پیش آئی اس کے بعد ڈرامے، ضرب الامثال، کہانیاں اور مختلف موضوعات پر مضامین لکھے گئے۔"(12)

کچھ یہی صورت حال بلتی کی بھی ہے کہ جہاں قدیم لوک داستانیں سینہ بہ سینہ چلتی تھیں مگر باقاعدہ بلتی نثر نگاری کا تصور بہت بعد میں سامنے آیا۔ یہاں بھی نظریہ ضرورت ہی کے تحت نثر نگاری کا آغاز ہوا تھا اس ضمن میں محمد حسن حسرت اپنی کتاب شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب میں یوں تاریخ پر روشنی ڈالتے ہیں:

> "بلتی زبان میں نثر نگاری کا رجحان سوائے مذہبی کتابوں کے تراجم کے تقریبانہ ہونے کے برابر ہے۔ افسانہ یا ناول کا بلتی زبان میں وجود نہیں البتہ ریڈیو کے لئے نثری ڈرامے ضرور لکھے گئے۔ ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے بلتی نشریات کے آغاز کے ساتھ ہی باذوق اور ادب نواز شخصیتوں نے ریڈیو ڈرامے سے تشنگی بجھانے کی کوشش کی۔"(13)

شینا اور بلتی دونوں زبانوں میں لکھے گئے ڈراموں کا اگر فکری تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کہ ان ڈراموں کی اساس اصلاح معاشرہ، دین شناسی، اخلاقیات جیسے افکار پر ہے۔ ان ڈراموں میں خصوصیت کے ساتھ معاشرتی برائیوں اور ان برائیوں کی اصلاح کے لئے افسانوی ماحول میں پیغامات دیئے گئے، اس کے علاوہ ملی جذبات کو بھی اجاگر کرنے میں ان ڈراموں کا کردار نمایاں ہے۔ ریڈیو کے لئے شینا زبان کا پہلا ڈرامہ منزل جہاد کے نام سے حشمت اللہ خان نے لکھا اس ریڈیائی ڈرامے کے بعد یہاں شینا ڈراموں، بچوں کی کہانیوں

، فیچرز، مضامین اور مقالوں کی روایت پڑی۔ اسی طرح بلتی میں بھی ہمیں ایک بڑا ذخیرہ دکھائی دیتا ہے جن میں سماجی ناہمواریوں کو خصوصیت سے موضوع بنایا گیا۔ شینا لوک کہانیوں کا مجموعہ ددی شلوکے کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اکبر حسین اکبر نے سومولو رسول کے نام سے سیرت کی کتاب لکھی۔ امین ضیا نے سوینو مورے کے نام سے شینا ضرب الامثال کو اکھٹا کیا۔ شینا زبان و ادب کے نام سے عبد الخالق تاج کی کتاب میں ظفر وقار تاج نے "شاپ" کے عنوان سے عمدہ مضمون لکھا ہے جبکہ رازول کوہستانی نے شینا کے مضامین لکھے۔ امین ضیا کا افسانہ "پیانکو" کے نام سے اس میں شائع ہوا، عمران شاہ انجم کی کہانی "کاموں توں چلاس کوس کھائی" بھی افسانوی ادب کی بہترین مثال ہے۔ ان میں لکھاریوں کا موضوع معاشرہ رہا ہے۔ اردو کے برعکس شینا اور بلتی کا نثری افسانوی ادب حسن و عشق کی بجائے سماجیات پر مرکوز ہے۔ اس کے علاوہ مذہبی رجحانات کو بھی نثر میں خصوصیت سے شامل کی گیا ہے۔ ان نثر پاروں میں جو معاشرتی ناہمواریاں بیان کی گئی ہیں ان کا رنگ پند و نصائح سے ہم آہنگ نظر آتا ہے۔ مقامی لوک کہانی پھڑ کو شوو یعنی گنجے بچے کی کہانی، شرہ ائی شلوک بکری کی کہانی میں موضوعات میں سماجی سوچ پر تنقید کی گئی ہے۔ اس جانب سید عالم اپنی کتاب شمالی علاقہ جات کا لسانی و ادبی جائزہ میں لکھتے ہیں:

> "شینوں کی لوک کہانیوں میں ہر طبقے کے لوگ موجود ہیں، زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی ہوتی ہے۔ ظالم مظلوم، امیر و غریب، فقیر بادشاہ، شریف بدمعاش، توہم پرست اور خدا پرست غرض ہر قسم کے کردار ملتے ہیں، شنیوں کی کہانیوں میں غیر فطری عناصر بھی نمایاں ہیں۔ دیووں، پریوں، جنات کے علاوہ ایسے غیر فطری عناصر بھی نمایاں ہیں کہ جن کا ذکر دوسری اقوام میں کم ملتا ہے۔"(14)

بلتی منثور ادب میں بھی صورت حال عین ایسی ہی ہے کہ جہاں مذہبی اثرات کے زیر اثر موضوعات اور اصناف کا چناو کیا گیا ہے۔ یوسف حسین آبادی نے قرآن پاک کا بلتی میں ترجمہ کیا جبکہ زبور، انجیل کے بھی بلتی ترجمے ہو چکے ہیں۔ سرحد پار کرگل میں بلتی نثر پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، نتی ادب کے نام سے یہاں خالص بلتی زبان میں رسالہ چھپتا رہا جس میں بلتی مضامین لکھے جاتے جبکہ شاعری بھی شائع ہوتی رہی ہے۔ اس کے علاوہ بلتی کی لوک داستانیں بھی مقبول عام ہیں۔ ہلا فوکیسر، ڑگیالو سرالبو، شینگ کھنی خسوبو، وغیرہ وہ لوک

داستانیں ہیں کہ جن کا موضوع دیولامائی یا توہماتی ہے۔ غلام حسن حسنی نے بلتی تم لو کے نام سے ضرب الامثال اور محاوروں کی کتاب بھی شائع کی ان ضرب الامثال میں حکمت کے کئی پہلو پوشیدہ ہیں مثال کے طور پر:

ایپ چن خسری سونگنا سا کامی اوق	رکاب سونے کی بھی کیوں نہ ہو زیر پا ہے۔
گو یودنا تھود بگیا چنگ	سر سلامت یو توسو دستار
شینی رگی شینی شپ لہ	لکڑی کی تلوار لکڑی کی نیام میں

ان ضرب الامثال میں لفظیات دیسی ساختہ ہیں اور ان کا چناو خالص دیسی بلتی معاشرے سے خصوصی نسبت رکھتا ہے۔ شینا اور بلتی نثر میں فی زمانہ آنے والی جدت نے جو تبدیلیاں پیدا کیں ان کا ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔

V۔ شینا اور بلتی نثر: اصناف

شینا اور بلتی میں نثر کی بنیاد لوک کہانیوں یا قصوں سے پڑی۔ نثر کی افسانوی اور غیر افسانوی تقسیم کو مد نظر رکھ کر ان مقامی زبانوں کا ادب دیکھا جائے تو خالص اور مقامی زبان میں شینا اور بلتی دونوں زبانوں کی نثر بہت محدود اور فارسی یا اردو سے متاثرہ ہے۔ عہد قدیم میں جو کہانیاں یہاں تخلیق ہوئیں وہ افسانوی نثر کی لوک کہانی، داستان، اور قصہ کے زمرے میں آتی ہیں۔ ان کہانیوں کی جنم بھومی یا ان کے تخلیق کاروں کا تو علم نہیں اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ یہ کب سے چلی آرہی ہیں مگر اتنا طے ہے کہ یہ بے ترتیب داستانیں کسی دوسری زبان سے متاثرہ نہیں ہیں۔ ان کو ہم دیسی شینا بلتی نثر کہہ سکتے ہیں۔ ہماری تحقیق میں ہم آگے چل کر دیگر اصناف نثری جو کہ اردو سے وارد ہوئی ہیں ان کا بھی مطالعہ کریں گے اس لئے پیشگی ان کو مقامی اصناف کا نام دینا مناسب نہ ہو گا۔ کیونکہ ان اصناف کو شینا اور بلتی نے قبول کیا ہے یا یہ کہ دخیل اصناف ہیں۔ شینا زبان میں بھی نثری کمی کو ریسرچ اسکالر کریم مدد نے صورت حال کو پریشان کن قرار دیا ہے:

> ''شاعری سے ہٹ کر شینا میں نثر کا وجود ناپید ہے۔ ڈرامے، تقاریر اور خطبات کے علاوہ کوئی نثری صنف نہیں پائی جاتی ایک وقت تھا کہ دادیوں نانیوں کی زبانی لوک کہانیاں

سینہ بہ سینہ چلتی رہتی تھیں اب نہ ایسی دادیاں اور نانیاں رہیں اور نہ ہی ان کو سننے والے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں۔"(15)

بلتی زبان میں لوک کہانیوں کے علاوہ جو بھی نثری اصناف بعد میں اس زبان نے قبول کیں وہ کسی بڑی زبان سے مستعار ہے۔ تراجم ڈرامے اور خطبات تک یہاں کا قدیم بلتی نثر محدود ہے اور یہ نثر بھی اس قدر دھندلے ہیں کہ پہچان مشکل ہو جاتی ہے۔ان تمام کہانیوں کو لوک کہانی کی صنف میں ضم کیا جاسکتا ہے۔اس جانب ڈاکٹر عظمیٰ سلیم مطابق:

"بلتی نثر کا جائزہ لیا جائے تو ابتدا میں چند مذہبی کتابیں نظر آتی ہیں جو یہاں آنے والے مبلغین نے تعلیم کی غرض سے لکھیں۔ان کتابوں میں بلتی تحریروں کے ساتھ ساتھ فارسی، عربی تحریر بھی موجود ہیں۔"(16)

ارتقاے زمانہ کے ساتھ بالخصوص پاکستان کے قیام کے بعد یہاں پر نثر نے واضح کروٹ بدلی۔ورنہ اس سے قبل صرف مذکورہ بالا اصناف تک ہی نثر محدود تھی۔ مگر ریڈیائی ادب اور اداروں کے قیام سے ڈرامہ ،فیچرز، مضامین، مقالے، مختصر کہانیوں، افسانوں، خبروں، تبصروں، تراجم جیسی اصناف کا وجود اب شینا اور بلتی میں ہے۔

vi۔ شینا اور بلتی نثر: اسلوب

شینا اور بلتی زبان دونوں ہی زبانیں اپنی روزمرہ گفتگو میں بھی منفرد ہیں اور نثری اسالیب میں بھی لسانی ماحول کا یہ عنصر نمایاں ہے۔ تشبیہات، استعارات، صوتی خوبصورتی، جملوں کی بندش وترکیب، تکرار لفظی کا آہنگ اور جملہ مزاج کے مزاج کے حساب سے لفظوں کا بدلتا مزاج دونوں زبانوں کے محاسن میں فطری طور پر موجود ہیں۔اگرچہ نثر کی محدودیت پر بات ہوچکی ہے مگر جب اسلوب کی بات آتی ہے تو یہاں اسی محدود نثری ذخیرے سے بھی قابل ذکر اسلوبیاتی پہلو نکلتے ہیں۔اصناف کو برتتے وقت مقامی لکھاریوں نے ایسے الفاظ اور جملہ سازی کا ماحول بنایا ہے جس میں دیسی پن ہے۔شینا زبان میں لوک کہانیوں اور داستانوں کو اگر دیکھا جائے تو ان کی زبان شستہ، سلیس اور بامحاورہ ہے اور یہ زبان اہل زبان کی سماعتوں کو بہت لبھاتی ہے۔گلگت بلتستان کے انسائیکلوپیڈیا میں قدیم شینا داستانوں پر کچھ یوں تبصرہ کیا گیا ہے:

"یہ داستانیں مختلف قسم کی ہوتی تھیں۔ مافوق الفطرت قصے، علاقے کی مشہور شخصیات کے قصے، مختلف جگہوں اور چیزوں سے متعلق قصے وغیرہ ہوتے تھے۔ مقامی لوک داستانوں میں شری بدت، سوملک، بلداس جیسی داستانیں مشہور و مقبول ہوئیں۔"(17)

ان قصوں کی زبا ن نہایت شستہ، بامحاورہ، تلمیحاتی، لوکل استعاروں اور تشبیہات سے مزین تھی۔ مقامی محاوروں کا استعمال، ضرب الامثال کی بندشیں، مترنم لفظیات، درمیان میں چھوٹی نظمیں، اور مقفیٰ الفاظ ان کا خاصہ ہیں۔ شینا لوک کہانیوں کا اسلوبی آہنگ سمجھنے کے لئے جنگلی بیر اور موتی کی کہانی کے اس حصے پر غور کیا جائے:

''شگای سے بروی تھے کھٹج گی۔واشل کھٹ کھنٹو اوشہ
وہ۔انی چیو پش گہ دپہ اوشے دے وا۔ تھگہ
ایاکٹ آکی اوشہ بٹھیلہ۔چیوپش گہ دپہ ایکو ایک تھیگہ۔
ہو چیسس گے بوشہ مرٹیگے
بوشس گے مشای کورے چپیگہ
مشاس گے دونو مریگہ
دونوس گے وی چوش تھگہ
وی سے گے ہگار نشیگہ
ہگار سے گے کونٹو دییگہ
کونٹوگے چاییطپار اچتہ
ہوچای سے ولے شگایٹ ماٹہ پلیگہ''(18)

ترجمہ: تو پھر ان سینکڑوں پہاڑوں کی ہواوں سے کہہ کر تمہاری اون بکھیر دوں گی۔ جاو، تم ایسا کر سکتی ہو تو کر دو جنگلی بیر جھکڑ چلنے کی طرح پہاڑ پر گئی اور پکارا اے سینکڑوں پہاڑوں کی ہوا و آو ان عورتوں کے اون بکھیر دو۔ اسی دوران میں آندھی چلی اور عورتوں کے اون بکھر گئے۔ پھر عورتوں نے جا کر بلی کو تنگ کیا۔ بلی نے جا کر چوہا کھایا۔ چوہے نے جا کر آدمی کے موزے کترے، آدمی نے جا کر بیل کو مارا۔ بیل نے جا کر پانی پیا، پانی نے جا کر آگ بجھائی، آگ نے جا کر کانٹا جلایا۔ کانٹا جا کر چڑیا کے پاوں میں چبھا۔ چڑیا نے جا کر جنگلی بیر کو موتی لوٹا دیا۔

مذکورہ لوک کہانی میں جنگلی بیر نے اپنا کھویا ہوا موتی جو کہ چڑیا کے پاس ہے جب طلب کیا تو اس تقاضے کے بعد عورتوں نے اسے دھمکی دی۔ آگے کا ماحول اردو ترجمے میں واضح ہے۔ پہاڑوں کی ہوا کو مدد کے

لئے بلانا مقامی اصطلاح ہے۔ جابجا لفظوں کو دہرا کر اور ہر فقرے کو ایک مخصوص آہنگ کے صوتی لفظ سے ملا کر اسے مقفیٰ بنایا گیا ہے۔ یہاں پر تلازمے کا لوکل تصور بھی دیکھا جاسکتا ہے جبکہ لفظوں میں موجود تضاد جیسے چوہا بلی ، آگ پانی جملوں میں دلچسپ کیفیت پیدا کر رہی ہے۔ شینا لوکل کہانیوں میں ایسی تشبیہات ، ترکیبات، محاوروں، لفظیات اور صوتیات کی بھرمار ہے۔

بلتی کو چونکہ پدری زبان کہا جاتا ہے اس لئے اس زبان کی ساخت میں زرا الگ نوعتیں ہیں۔ اس سائینو تبتین زبان کی شاخ میں اپنی ہی دل کشی ہے۔ بلتی کے اسالیب بھی منفرد ہیں۔ محمد عباس کھرگرونگ کے لکھے ہوئے ڈرامے لزوشر کا ایک منظر ملاحظہ ہو:

”انو ژھونژے: اشے،بخمو فیونگمی گرل بیوس۔ سنیو پا ژھنگسید۔ وخ پوسا اونگسید
اشے: مانہ لا یانگ گوئے اینا مین ؟
انو ژھونژے: اونا چن، ناگوے ان ،یانگ سو گیگ
اشے : اونا یانگی چتخ بیوس۔ نا رستم لا اونگ زیروک
انو ژھونژے: کاکا دے ایکھہ ، گو تھورو تانگسے ، چیکچی بونو کھیربہ تھوکپہ نا سنینگ ژھیر بہ دوکتوک۔۔۔
انو ژھونژے : کاکا۔۔یانگ چک دیکھہ شوخسی۔ دی بونو لا یجو زیری
رستم : چی بیاسے زیر لے بونو۔اتی سنینگ غدیانگ پولا ،اتی چھینمی زور پولا ، ناسی یجو چی بیسے زیر۔نلا بونو لا ہلتا کھیود پا مید۔کھیانی مولا اتا لا غدونگ زباسے سونگ زیر۔“[19]

ترجمہ: پھوپھی: باجی اب دلہن نکالنے کی تیاری کریں۔ باراتی پورے ہوگئے ہیں۔

باجی: دلہن کے ساتھ مانا (بلتی رواج کے مطابق ساتھ جانے والی خاتون) آپ ہی جارہی ہیں نا؟

پھوپھی: ہاں میں ہی جاوں گی۔ اور کون جائے گا۔

باجی: تو آپ تیاری کریں میں رستم کو بلاتی ہوں۔

پھوپھی: بھائی تو وہ دیکھیں سامنے سر خم کئے بیٹھے ہیں۔ اکلوتی بیٹی کی رخصتی پر دل دکھ رہا ہوگا۔

پھوپھی: بھائی، آپ تشریف لائیں اور بیٹی کو الوداع کہیں۔

رستم: کیسے، کہونا اے لڑکی (بہن) کیسے کہوں۔ باپ کے دل کے سکون، جگر کے ٹکڑے کو کیسے خدا حافظ کہوں، مجھ میں ہمت نہیں تم اس سے کہو کہ باپ سے منہ چھپا کر چلی جائے۔

ڈرامے کے اس حصے میں بلتی تہذیب کی عکاسی ہوتی ہے۔لوکل اصطلاحات ، تکریم کے الفاظ ،استعارے ،اشارے ،انداز بیان میں سلاست ، قلبی جذبات سے مزین فقرات ان میں واضح ہیں اور یہی اسالیب بلتی کا خاصہ ہیں۔اسکرپٹ میں دوبار لفظ "بونو" کا استعمال ہوا ہے ایک بار یہ لفظ بیٹی کے لئے جبکہ ایک بار لڑکی کے لئے۔بلتی زبان میں اس طرح کے الفاظ کی بہتات ہے جو کہ جملے میں مزاج کے مطابق ڈھل جاتے ہیں۔

ب۔ شینا اور بلتی افکار پر اردو کے اثرات

i۔ موضوعات میں تبدیلیاں:

گلگت بلتستان میں اردو نے اپنی آمد کے ساتھ تمام علاقائی زبانوں کو براہ راست متاثر کیا اور بالخصوص ان زبانوں کا ادب اردو کے براہ راست زیر اثر آگیا۔شینا اور بلتی کا چونکہ ادبی دائرہ اتنا وسیع نہیں تھا اس لئے اردو کی آمد کے ان زبانوں نے بہت تیزی سے اردو کا اثر قبول کیا۔لوک گیتوں، لوک کہانیوں اور محدود ادبی رجحانات پر مبنی شینا اور بلتی زبان نے اردو کے ساتھ امتزاج کے بعد نیا زاویہ اپنالیا اور یوں رفتہ رفتہ اردو ادب کے اثرات ان دونوں مقامی زبانوں پر عیاں ہوگئے۔ڈوگرہ دور کے ساتھ آنے والی اردو نے ابتدا میں تو زبان پر اثر ڈالا مگر رفتہ رفتہ اس نے ادب کو اپنی گرفت میں لیا۔ان اثرات کی نوعیت یہ تھی کہ ایک تو از خود اردو کو ہی ادب کا حصہ بناکر مقامی ادیبوں اور شعرا نے اردو میں طبع آزمائیاں کیں۔دوسری نوعیت یہ تھی کہ مقامی زبان کے ادب میں اردو کے دخیل الفاظ اور اصناف ،اصناف اور اسلوب ،موضوعات اور افکار نے جگہ بنالی۔1842 کے بعد یہاں اردو نے قدم رکھا جبکہ اس کا نفاذ یہاں 1893 تک مکمل ہو گیا تھا۔ڈاکٹر عظمیٰ سلیم کے مطابق اس دوران تیزی سے اردو ادب کو بلتی اور شینا ادب نے قبول کیا:

> ”اردو کی مقبولیت کا یہ انداز شمالی علاقہ جات کی زبانوں میں دیکھنے میں آتا ہے۔جب مراد ہی کے دور میں بلتی زبان کے معروف شعرا جوہر علی جوہر اور سید ابو الحسن تحسین

نے اردو سے متاثر ہو کر بلتی شاعری اردو رسم الخط میں کی حالانکہ اس دور میں بلتی کا رسم الخط موجود تھا۔"[20]

شینا زبان کے ساتھ صورت حال مختلف نہ تھی یہاں بھی اردو کی آمد کے بعد جب اس زبان کو مقامی لوگوں نے سیکھا تو اردو ادب نے شینا میں ڈھل کر نیا روپ دھار لیا۔ یہ بات واضح رہے کہ موضوعاتی تبدیلی کا نکتہ آغاز آمد اسلام کا دور تھا۔ اس دور میں عربی اور فارسی کے ساتھ موضوعات بھی یہاں آئے۔ اردو کی آمد ان دنوں یہاں ہوئی جب یہاں غلامی کا دور تھا اور لوگ جذبہ آزادی سے سرشار تھے۔ اس دوران ملی جذبات سے بھرپور ادب نے سر اٹھایا اور یہ ملی تفکر اردو کے رہین منت تھا۔ ان ادبی موضوعات میں حب الوطنی، قومی غیرت، حریت کو موضوع بنایا گیا۔ مذہبی شاعری کو نہ صرف تقویت ملی بلکہ ان میں معاشرتی پہلو بھی نمایاں کئے گئے۔ اردو کے اثر سے غزلیں کہیں جانے لگیں ان میں حسن عشق سمیت دیگر موضوعات بھی اردو سے ہی متاثرہ تھے۔ 1949 کے بعد یہاں ملی نغموں کو فروغ ملا۔ ڈاکٹر عظمی سلیم لکھتی ہیں:

"گلگت میں 1988 میں حلقہ ارباب ذوق قائم ہوا۔ وہ شعرا اردو اور شینا دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے انہوں نے اردو کے فنی اسرار و رموز کو شینا شاعری میں آزمانا شروع کیا۔ جس کی بدولت شینا شاعری کو عروج حاصل ہوا۔"[21]

بلتی زبان میں یہ تجربات شمیم بلتستانی نے کئے انہوں نے اردو محاسن کو بلتی شاعری میں ڈھال کر حمد و مناقب منظوم کیں۔ اردو ادب کی ترقی پسند تحریک نے بھی مقامی شعرا کو بہت متاثر کیا۔ مزاحتمی نظموں میں مقامی شعرا نے خطے کے احوال کو بھی خصوصیت سے قلم بند کیا۔ ستر کی دہائی تک نغموں، ترانوں اور مزاحتمی منظومات کے بعد اب ادب نے رومانوی گیتوں کی جانب راہ لی۔ ان گیتوں میں حسن، عشق، لب و رخسار، وصال و فراق، رقابت اور واردات قلبی کو خصوصی موضوع بنایا گیا۔ شینا زبان میں اردو سے متاثرہ موضوعات نظم کرنے والے شعرا میں رحمت جان ملنگ، عبداللہ ملنگ، غلام نبی وفا، بہرام خان، امان علی، گوہر علی گوہر، جمشید خان دکھی، عبدالخالق تاج، امین ضیا، ظفر وقار تاج، عبدالحفیظ شاکر، غلام عباس نسیم، صلاح الدین حسرت اور عزیز الرحمن ملنگی سمیت عہد حاضر کے جوان شعرا شامل ہیں۔ جبکہ بلتی میں فدا

حسین شمیم، اخوند حسین حکیم ،غلام حسن طالب،وزیر احمد روندو ، محمد عباس کھر گرونگ،بوا شجاعت علی شجاع، راجہ محمد علی شاہ صبا عہد جدید کے شعرا غلام مہدی شاہد، افضل روش، رضا بیگ گھائل، عاشق حسین عاشق، ذیشان مہدی، رسول تمنا، سید امجد زیدی، حشمت کمال الہامی، غلام حسن حسنی ، مہدی اشرف ،یوسف حسین کھسمن اور غلام حسین بلغاری جیسے شعرا نمایاں ہیں۔ بلتی زبان کے مزاحمتی اور رومان پسند شاعر غلام حسین بلغاری نے اردو موضوعات سے متاثرہ مگر خالص بلتی رنگ میں نہایت عمدہ غزلیں کہیں ہیں۔ راقم کو دوران انٹرویو دیئے گئے میں غلام حسین بلغاری کا کہنا تھا:

"اردو شاعری فکری اور موضوعاتی طور پر چاشنی کے ساتھ نغمگی رکھتی ہے۔ میں نے اپنی شاعری میں وہی عرق اور اس کی خوشبو بسائی اور یوں بلتی غزل کو ایک نیا رنگ دیا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ میری شاعری کے فکری موضوعات میں اردو رومانوی ادب کی جھلک ہے مگر میرے تراکیب اور ادائیگی کے اظہاریے میں بلتی زبان اولین ترجیح ہے۔"(22)

شینا زبان کے شعرا نے اردو گیتوں، غزلوں، گانوں کو اپنے مقامی پن سے ہم کنار کیا۔ جمشید خان دکھی نے بے ثباتی دنیا پر جو قطعہ کہا وہ صنف اور موضوع دونوں میں اردو سے کس قدر قریب ہے:

کیسٹ شرو کیسٹ بہار دتات ہن
کیسٹ کار وائی کیسٹ ہگارت ہن

موضوعاتی طور پر اردو سے ہونے والے تراجم کو بھی دیکھا جائے تو ان میں موضوع براہ راست اردو کا تابع ہے۔ بلتی زبان کے شعرا فدا حسین شمیم اور احسان دانش نے کلام اقبال کے منظوم ترجمے کئے۔ جواب شکوہ طلوع اسلام اور خضر راہ کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ احسان دانش کے کلام اقبال کے ترجمے کے مجموعے کو اکادمی ادبیات نے چھاپا ہے۔ اس ترجمے میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ شاعر نے کلام کے اصل بحر کو بلتی میں عین اسی طرح برقرار رکھا ہے:

"سلسلہ روز شب نقش گر حادثات

سلسلہ روز وشب اصل حیات و ممات

سلسلہ روز وشب تار حریر و دو یک

جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے حیات

بلتی ترجمہ:

ژھن نا نیمی اونگنہ گو گو مگونی خچے فچو کھن
ژھن نا نیمی اونگنہ گو شی نہ خسونی گو رگہ کھن
ژھن نا نیمی اونگنہ گو رنگ نیسی سکوت پے نہ ژوخ
یولا کھوسی کھوانگ لا فچوید کھوری صفاتی گونمولوخ "[23]

شیخ غلام حسین سحر نے بھی اردو تفکرات کو بلتی رنگ میں رنگ دیا ہے۔ صوفیانہ، عارفانہ اور قلندرانہ مزاج کے اس شاعر کی کتاب "پیام سحر" میں موضوعاتی تبدیلیوں کی واضح جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ شینا زبان کے شاعر ظفر وقار تاج اور عزیز الرحمن ملنگی نے عہد حاضر میں جو شاعری کی ہے ان میں اردو کا مزاج جھلکتا ہے۔ ان دونوں شعرا کے کلام میں جہاں علاقے کی تہذیب و ثقافت کی جھلک ہے وہیں اردو کا ترنم بھی موجود ہے۔ زرعی نغموں، بچوں کے نغموں، شادی بیاہ کے گیت، سیاسی ترانے، اردو موضوعات سے متاثرہ حمد، نعت، مناقب، مزاحمتی نظمیں، حب الوطنی کے گیت، پاک افواج کے لئے نغمے جیسے موضوعات اردو سے ہی اثر پا کر مقامی ادب کی زینت بنے ہیں۔ اسی طرح نثر میں بھی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔ جہاں لوک کہانیوں سے نکل کر شینا اور بلتی نثر نے آمد اردو کے بعد کروٹ لی۔ تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ قیام پاکستان کے بعد ضرورت کے پیش نظر ریڈیو کے ڈرامے مقامی زبانوں میں لکھے گئے ان ڈراموں میں اکثر کا موضوع اردو سے مستعار تھا۔ ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی جانے والی خبروں کے اسکرپٹ، ان کا بیانیہ، مضامین، کالم اردو سے ہی آئے۔

ii۔ اردو سے مستعار افکار

مقامی زبانوں کے ادب پر اردو افکار کا بھی اثر یوں تو منظومات میں زیادہ نمایاں ہے مگر نثری ادب بھی ان فکری اثرات سے خالی نہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شینا اور بلتی کا نثری ادب اردو کے زیر اثر ہی پنپ رہا ہے۔ اردو نے جہاں موضوعات پر اپنا اثر ڈالا وہیں یہاں کے مقامی ادب کی فکری جہت بدلی۔ اردو ادب نے

جب گلگت بلتستان میں اپنی پہچان بنائی تو مقامی ادبا نے اردو افکار سے متاثر ہو کر مقامی ادب میں اپنا تخلیق ادب پروان چڑھایا۔ اردو ادب سے جس فکر نے مقامی زبانوں میں جگہ بنائی ان میں جذبہ حب الوطنی واضح ترین ہے۔ اردو نے ملی افکار کو لوکل ادب میں پروان چڑھایا۔ ریڈیائی ڈراموں میں ملیّ، مذہبی اور سماجی افکار کو اردو سے ہی کشید کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر عظمی سلیم کے مطابق گلگت میں اسٹیج ڈرامہ کا آغاز شینا زبان سے ہوا۔ تاہم اس کے بعد یہاں اردو ڈرامے تواتر سے اسٹیج کیے گئے۔ موصوفہ لکھتی ہیں:

> ''نثر میں شینا زبان کا ذخیرہ لوک کہانیوں پر مشتمل تھا۔ اردو کی آمد کے بعد ریڈیو پاکستان راولپنڈی سے شینا نشریات کا سلسلہ شروع ہونے پر ۱۹۴۹ میں شینا نثر لکھے جانے کی باقاعدہ ابتدا ہوئی۔ البتہ اس دور کے مسودات امتداد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اس وقت شینا زبان کا لسانی ڈھانچہ ارتقا پذیر تھا۔''(24)

بلتستان میں ریڈیو ڈراموں میں سماجی ناہمواریوں، اصلاح معاشرہ، حب الوطنی، تعلیم کی اہمیت جیسے اہم موضوعات کا تفکر بھی اردو کے رہین منت ہے۔ لکھاریوں نے اردو ڈراموں سے متاثرہ موضوعات بھی لوکل رنگ میں لکھے۔ مزاحمت، اصلاح معاشرہ، ملی وفاداری، مساوات دین شناسی بھی اردو کے دامن سے بلتی کے دامن میں گرا۔ محمد حسن حسرت پاکستانی زبانیں مشترکہ لسانی ورثہ میں لکھتے ہیں:

> ''اس حوالے سے نہ صرف شاعری کے حوالے سے بلکہ اہل ادب نے افسانوی ادب کے ذریعے بھی اپنا فرض پورا کرنے کی کوشش کی۔ غلام حسن حسنی کے اردو افسانوں کا مجموعہ "گیت بنے انگارے" اور افضل روش کے بلتی افسانوں کا مجموعہ "پھہ ہر تخ" کے علاوہ کئی دیگر قلمکاروں کے غیر مطبوعہ افسانے ترقی پسند تحریک کی نمائندگی کرتے ہیں۔''(25)

فی زمانہ ارتقا کے ساتھ ساتھ افسانہ، ڈرامہ، افسانہ، مضامین، مکتوبات اور اردو تراجم میں اردو سے براہ راست خیالات اور تخیلات مستعار لئے جا رہے ہیں۔ مقامی شاعری کی بات کی جائے تو یہاں بھی اردو کی گہری چھاپ ہے۔ منظوم تراجم تو از خود اردو کی پیروی ہے جبکہ اس کے علاوہ بھی تفکرات اور شعری بیان میں اردو سے ماخوذ مواد کی کمی نہیں۔ شعرائے گلگت کو اقبال سے متاثر دیکھا جا سکتا ہے۔ اقبال کی رباعی کا شینا شاعر فضل الرحمن نے کیا:

دلوں کو مرکز مہر وفا کر

حریم کبریا سے آشنا کر

جسے نان جویں بخشی ہے تو نے

اسے بازوے حیدر بھی عطا کر

ترجمہ:

ہیر کھس تھک تھے مہرو وفا ساتھ
خدائی راز جو بے آشینا ساتھ
کسے مئ ژیپ اثر یو ئی گلی تھانو
اے سیٹ علی شاکی تقت عطا تھے

بلتستان کے شاعر شیخ غلام حسین سحر نے شکوہ حواب شکوہ کی طرز پر بلتی میں شکوہ اور جواب شکوہ منظوم کیا۔ تاہم یہاں شاعر نے مقامی حالات اور ماحول کے مطابق نظمیں منظوم کیں۔ شیخ سحر کا بلتی نغمہ "نی پاکستان" اردو کی مشہور نظم جیوے جیوے پاکستان کے فکر سے کس قدر مماثلت رکھتا ہے ملاحظہ ہو۔

”نی پاکستان دوک ہے خسونے ترقینگ بدونی خنم لا تھونے
تعمیری تیانگفی گا اپوس چی فوقسے مید پہ درا چھونے
نی پاکستان دوک ہے خسونے“[26]

ملی نغمے کا مفہوم یہ ہے کہ میرا پاکستان سلامت رہے اور تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن رہے۔ اسی طرح اگر گیتوں اور غزلوں میں اردو افکار کی بات کی جائے تو یہاں اردو کے شانہ بشانہ اب بلتی اور شینا کی شاعری بھی ہے۔ بلتی کے شاعر یوسف کھسمن نے بلتی میں ایک قطعہ کہا ہے جو کہ قطعہ از خود اردو سے مستعار ہے جبکہ موضوعاتی طور پر اس قطعے میں دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس کے ابتدائی دو مصرعے غالب کی غزل کا عین ترجمہ ہیں جبکہ اگلے دو مصرعے شاعر کا ذاتی تفکر ہے:

سو رگیالمو مریمی بو سونگنہ ان پا
نی سنینگ ند پوئے حکیم سو سونگنہ ان پا
نلا نی تھدکھو جوک لا تھومگہ یود سوک
نا وخلا رگس نہ چوق فڑو وسونگنہ ان پا

ترجمے میں قطعے کا پہلا شعر تو غالب کی غزل کا عین مطلع ہے جبکہ دوسرا شعر راقم نے موزوں کیا ہے

ابن مریم ہوا کرے کوئی

میرے غم کی دوا کرے کرئے کوئی

بعد پیری کے آگے خوشیاں ہے

پھر سے بچپن عطا کرے کوئی

منظوم ترجمہ میں بلتی شعرا نے اردو کی دیکھا دیکھی کامیاب تجربات کئے، حشمت کمال الہامی نے سورہ کوثر کا ترجمہ یوں کیا:

"نیاسی یانگ لہ شزدے بیانا کوثر

ینی پھیاق پو س نہ لدن چوک کھن لہ بین نر

حغی لم پوینگ دیبانا یونا چی سکور

می ژھیم کھن یار سومک رب چھد نہ لم ستور"[27]

ارتقائے زمانہ کے ساتھ ساتھ افکار کے اس سفر کا سلسلہ جاری ہے۔فی زمانہ شینا اور بلتی شاعری میں اردو تخیلات کی بھرمار ہے۔ اور اب اردو کے مزاج کو مقامی زبانوں کے مزاج میں ڈھال کر شاعری کرنا روایتی بات ہے۔

ج۔ شینا اور بلتی ادب کی اصناف پر اردو کے اثرات

i۔ اصناف میں تبدیلیاں

اردو کی آمد کے بعد جن اصناف میں تبدیلیاں آئیں ان میں شعری اصناف بہت واضح ہیں۔ حمد، نعت اور مدح جیسی اصناف فارسی سے یہاں آئیں۔ اردو کے آنے کے بعد یہاں ملی نغمے ترانے لکھنے کا سلسلہ بھی چل پڑا۔اس صنف شعر کو ہم گیتوں میں ہی گن سکتے ہیں۔ڈاکٹر عظمی سلیم کے جائزے کے مطابق:

> اردو کی نت نئی اصناف کے ادب کے مطالعے نے شعرا کو ترغیب دی کہ وہ بھی ان ادبی اصناف کو اپنی زبان میں برتیں یوں اصناف اردو اصناف کو شینا میں برتنے کا شوق بڑھا یہ بات اب بھی جاری ہے۔[28]

ان اصناف سے شاعری میں نئے دریچے کھل گئے، شینا میں رحمت جان ملنگ کو اولین شاعر مانا گیا ہے جسنے اردو کے اثرات سے شینا شاعری کی سمتیں مقرر کیں ورنہ اس سے قبل اس زبان میں اصناف کا کوئی تصور

نہ تھا بلکہ مقامی گیتوں تک محدود شاعری بے اصول تھی۔ اردو اصناف نے شینا شاعر کی رہنمائی کی اب مقامی گیتوں کو ایک ہی صنف میں ضم کیا گیا ہے اور ان پر لوگ گیت کی تعریف کا اطلاق ہے۔ اردو کے توسط سے ہیئتی سانچے بھی مروج ہوگئے جن میں قطعات، مسدس، مثمن، مخمس، رباعی، ترجیع بند، ترکیب بند جیسی ہیئتی اصناف شامل ہیں جن مقامی کہانیوں پر کسی ضابطے کا اطلاق نہ تھا ان میں بھی اصلاح کے پہلو کھلے۔ محمد حسن حسرت ان تبدیلیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> بلتی اور اردو میں مشترک ادبی رجحانات بلحاظ موضوع و بلحاظ ہیئت صوفیانہ تعلیمات کا ،انسان دوستی، نیکی سے رغبت ،بدی سے نفرت، اصلاح معاشرہ ،حمد نعت ،مرثیے ،قطعات، مثنوی، رباعی اور مسمط وغیرہ قابل ذکر ہیں۔[29]

شینا شاعری میں اردو نے بحر، اوزان اور قوافی ردیف کے تصور کو عملی سانچے میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کیا۔ رحمت جان ملنگ کی شاعری ان ابتدائی کوششوں سے مزین ہے:

قلم یاین کاغذی سانت
خیال بجس یورمسہ سانت
ملنگ ییںت ملنگ سانت
ظلم تھین ہزار رنگ سانت

مذکورہ اشعار میں املا بظاہر مختلف لیکن قوافی عین ہم آواز ہیں۔ بند مربع نظم سے لیا گیا ہے۔

شینا شاعری میں اصناف سرے سے لوکل وضع ہی نہیں رہے ہیں اور یہی بات کسی حد تک بلتی میں بھی ہے۔ یہاں موضوعاتی نظموں کو ایک الگ صنف مانا جاتا رہا جن کی چار اصناف بیان کی جاچکی ہیں۔ اس کے علاوہ باقی اصناف کسی بیرونی زبان سے کشید کی گئیں۔ ان میں اردو سرفہرست ہے۔ یہاں ان دخیل اصناف میں موضوع لوکل اور استعارے کا مزاج بھی خالص مقامی لگتا ہے۔ شینا میں میر باز علی فراز کی ایک رباعی ملاحظہ ہو:

”سوئے گا سنیگوں مٹئے خزانہ تھے
نازک ہنے ملزمو کار جیل خانہ تھے
تووار پھوٹ تھے ہوش بدل بے اونچانہ تھے
چنبیلی چوکی کون اگو بہانہ تھے

یعنی مٹی کے گارے سے حسن کا خزانہ بنا کر کمزور دل ملزموں کے لئے جیل خانہ بنایا ہے۔ تیری طرف دیکھ کر ہوش بدل جاتے ہیں ایسا میخانہ جو ہونٹوں کے نام سے چنبیلی کے پھول لگادے۔"(30)

دونوں مقامی زبانوں میں فی زمانہ ترقی کے ساتھ اب اور آزاد نظمیں ،شہر آشوب،سیاسی ترانے ،پیروڈی اور دیگر اصناف داخل ہو رہی ہیں۔ نثر کے میدان میں شینا بلتی دونوں کو اگرچہ مطبوعہ میدان میں وہ ترقی نہیں مل سکی جو قابل اطمینان ہو لیکن جس قدر بھی کام ہوا ہے اس میں اردو کا بہت بڑا کردار نظر آتا ہے۔ اردو سے قبل یہاں لوک کہانیوں اور کچھ مذہبی خطبات تک نثری ادب محدود تھا۔ اردو اصناف کو مستعار لینے کے بعد یہاں کے نثری ادب نے جو کروٹیں لیں ان کی تفصیل آگے بیان کی جائی گی۔

ii۔ اردو سے مستعار اصناف

اردو نے جب یہاں کے رسم الخط کو بدلا تو خود بہ خود ادب کا مزاج اردو سے متاثر ہو گیا۔ مقامی ادبا نے اردو کو پڑھا اور پھر ان اصناف کو بھی اردو سے کشید کیا جن کو شینا اور بلتی میں قابل عمل بنانا ممکن تھا۔ زبان میں چونکہ اردو کے الفاظ کی بہتات پہلے سے ہی تھی۔ اردو کے ہی اثر سے یہاں طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کا ایک در بھی کھلا۔ ڈاکٹر عظمی سلیم لکھتی ہیں:

> "قیام پاکستان کے بعد وزن ، قافیے اور ردیف کے لحاظ سے پہلے دونوں ادوار سے شاعری کی تمام اصناف میں واضح طور پر مختلف نظر آتی ہے۔ اب تمام بلتی شعر و شاعری کی اصناف موسیقی کی بجائے ردیف، اوزان کی پابندی اختیار کرتے ہیں، یوں اردو نے علم عروض کے حوالے سے بھی مقامی زبانوں پر گہرے نقوش ثبت کئے۔"(31)

شینا میں بھی نظموں کا مزاج بدل گیا اور ان میں ہیتی ڈھانچے کی لحاظ داری بڑھی۔ اب زرعی نغمے ،گیت ،ملی نغمے ،ترانے شینا زبان میں لکھے جانے لگے ان اصناف کا لوکل ادب میں اردو سے قبل کوئی تصور نہ تھا۔ استاد غلام حسین دنیوری کے مطابق:

> "اگرچہ شینا شاعری زبان اور ادب کے مختلف اصناف سخن یعنی غزل ، نظم ،رباعی ،قصیدہ اور مرثیہ نگاری میں ردیف قافیہ اور ذخیرہ الفاظ کے لحاظ سے جامع نہیں ہے

کیونکہ اس کا اپنا ایک الگ تشخص نہیں ہے اس لئے شینا شاعری میں بیرونی زبانوں کی تشبیہات، استعارات، اشارات اور تلمیحات استعمال ہوتی ہیں۔"[32]

گیتوں کے علاوہ اردو غزل کی صنف کو مقامی زبانوں نے بہت قبولیت دی۔ غزلوں میں مطلع اور مقطع کا تصور بھی اردو سے آیا۔ شینا اور بلتی نے اردو غزل کے مزاج کو بھی اپنایا۔ بلتی کے شاعر غلام حسین بلغاری نے اردو اصناف میں سے غزل کو یوں برتا ہے کہ اس میں نیرنگ خیالی بھی ہے اور معاشرتی ناہمواریوں پر گہری چوٹ بھی:

"نلا تھنگ گید پی خنوخ پوسی مہ تھوب ملسے رزا شینگ مید پے
مہ کھور خنم چھو نا رود چھوی غدیانگ مہ گید یوربا نا رززینگ میدپے

نومازن گوا نیمور تھوکسید زیرید مابجیک پا گیگ کنگ رزیس
مہ گے جق لا ماگور یانگلہ ہلتونی جق چک ژھاژھینگ مید پے۔"[33]

اردو شاعری سے شہر آشوب، پیروڈی، ملی نغمے، مستزاد، قطعات، نظم معری اور دیگر اصناف نے بلتی اور شینا میں قدم رکھا ہے اور اس ضمن میں نئے تجربات بھی ہو رہے ہیں۔ ریڈیو پاکستان سے نغموں، ترانوں، ڈراموں اور فیچرز کی اصناف بھی اردو سے ہی مستعار تھیں بلکہ یہ زبانیں قیام پاکستان سے قبل ایسے کسی ادب سے نابلد تھیں۔ اس ضمن میں اکبر حسین اکبر کتاب شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب میں لکھتے ہیں:

"جدید شاعری کی ابتدا انیسویں صدی کے اواخر میں ہوتی ہے اور اخوند مہزبان علی اس قافلے کے ہراول دستے میں شامل ہیں۔ جبکہ بعدازاں رحمت ملنگ، غلام نبی وفا۔۔۔ نمایاں کردار ادا کیا۔"[34]

بلتی زبان میں اردو سے نظم معریٰ کی صنف براہ راست مستعار لے کر نوجوان شاعر یوسف علی کھسمن نے اپنے مجموعہ کلام میں پوری نظم لکھ ڈالی ہے چند نمونے کے اشعار:

"نا ژھن چی لا لزوشر لا کھوربا گوانا
دی لزود پو نا نہ یمبو یمبو گوا شیس
دیرینگ تھیب چھق دی لزود پو نالا رگا شیس
دینہ ینگ لزود پولا ناس ہلتین چی گوانا

دی لزود پو ایونگپی تھیب چھق رگے تا مین سوک"[35]

حبیب الرحمن مشتاق نے جس پختگی کے ساتھ اردو مربع کی ہیئت میں صنف نظم کو برتا ہے وہ بھی قابل دید ہے۔

"تونے پشو سنگ مٹ کھے بے قرار وائے
مئی قسمت بش کرئے تھی دیدار وائے
مئی جوانی ییئی گور دریجی
بش کرئے مہ کار بھری تھے بہار وائے"[36]

اس سفر میں شینا اور بلتی نثر کو اردو کے براہ راست تابع دیکھا جاسکتا ہے۔لوک کہانیوں کے سوا ان زبانوں کی اصناف نثری لگ بھگ تمام ہی اردو سے مستعار ہیں۔ اردو کی آمد کے بعد یہاں نثری ادب نے سست صیح مگر ایک رفتار پکڑلی ہے۔بلتی افسانوں کے اولین مجموعے کے تبصرے میں یوسف حسین آبادی لکھتے ہیں:

"بلتستان سے شعرا اس وقت بھی شاعری کو فروغ دینے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور بہت سارے شعرا کے کلیات دیوان چھپ کر منظر عام پر آنے کا عمل جاری ہے لیکن دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ نثری ادب کے حوالے سے بلتی زبان نظر انداز رہی ہے۔"[37]

اس صورت حال میں اردو کے سبب سے اسکرپٹ لکھنے ،ریڈیائی ڈرامے ،فیچرز، مضامین ،مقالے ،مذہبی کتابوں کے تراجم ،افسانہ نگاری ،انشایہ،نثر لطیف نے مقامی زبانوں کا رخ کیا ہے۔مذہبی کتابوں کے تراجم باقاعدہ شائع ہوچکے ہیں۔اکبر حسین اکبر نے سومولو رسول کے نام سے سیرت کا ترجمہ کیا۔یوسف حسین آبادی نے قرآن کا شینا ترجمہ کیا۔انجیل کا بلتی ترجمہ ہوچکا ہے۔لداخ سے شائع ہونے والے رسالے " نتی ادب " میں تسلسل کے ساتھ بلتی مضامین چھپتے رہے۔عبد الخالق تاج کی کتاب شینا زبان و ادب خالص شینا نثر نگاری اور غیر افسانوی ادب کا ایک بہترین نمونہ ہے۔اس کتاب میں مضامین کے علاوہ،خاکے ،کہانیاں اور افسانہ بھی ہے۔بلتستان میں نثری ادب بلتی میں زیادہ بہتر اور تسلی بخش صورت حال میں نہیں ہے اور اس کی رفتار بہت سست ہے۔ محمد حسن حسرت کے مطابق ریڈیو کا اس ضمن میں نمایاں کردار ہے :

"بلتی میں نثر نگاری کا آغاز1949 میں ریڈیو پاکستان سے بلتی نشریات کے ساتھ ہوا۔ ریڈیو سے مختلف موضوعات پر کمپیئرنگ، تقاریر، فیچرز، خبریں وغیرہ نثر میں لکھ کر نشر ہوتے رہے۔ ریڈیو کی وساطت سے بلتی نثر میں ڈرامہ نگاری کی صنف نے ترقی کی اور ان ڈرامہ نگاروں میں محمد علی خان واحد، راجہ حامد حسین کلیم، آغا شاکر حسین شاکر، محمد عباس کھرگرونگ، غلام عباس سودے اور غلام حسن حسنی قابل ذکر ہیں۔"(38)

ڈاکٹر شجاع ناموس نے اپنی کتاب میں شینا کے بعض ضرب الامثال اور کہانیاں بھی لکھی ہیں، رازول کوہستانی، محمد امین ضیا، جمشید خان دکھی، شیر باز علی برچہ، خوشی محمد طارق، عبد الخالق تاج، ملا شکیل ظفر وقار تاج سمیت بعض دیگر قلم کاروں نے شینا نثر میں قابل ذکر کام کیا ہے۔ عمران شاہ انجم نے شینا میں "کاں موں توں کوس چلاس کوس کھائی" کے نام سے کہانی لکھی جبکہ محمد افضل روش نے "پھہ ہر تخ" کے نام سے بلتی افسانوں کا مجموعہ شائع کیا جس میں گیارہ سے زائد افسانے لکھے گئے۔ پروفیسر حشمت کمال الہامی کے مطابق "یہ بلتی افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے اور افضل روش کو پہلا افسانہ نگار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔"(39)

شینا اور بلتی نثری ادب ازخود زیادہ نمایاں طور پر ترقی پذیر نہیں اس کے مروجہ اصاف اردو سے مستعار ہیں اس لئے اس بات کا امکان ہے کہ مستقبل میں شینا اور بلتی میں ناول اور دیگر افسانوی اصناف میں بھی تجربات ہوں گے۔

د۔ شینا اور بلتی کے اسالیب پر اردو کے اثرات

i۔ اسالیب میں تبدیلیاں

گلگت بلتستان کی دونوں بڑی زبانیں قدرتی طور پر ایسی صوتیات اور لفظیات سے مزین ہیں کہ ان میں خوبصورت آہنگ پایا جاتا ہے۔ محاورے اور ضرب الامثال ان زبانوں کا حسن ہیں۔ ادبی نکتہ نظر سے ان دونوں زبانوں نے دیگر بڑی زبانوں کی تقلید کی لہذا اس سے مقامی اسلوب پر اثر پڑا۔ ڈاکٹر نصیر احمد خان نے اپنی کتاب میں اسلوب کو پرکھنے کے لئے یہ اصول مقرر کئے ہیں:

"اسلوبیاتی تجزیہ زبان کی ساخت، کے مختلف پہلوؤں کو لے کر کیا جاسکتا ہے، یعنی آواز ،جملہ اور لفظ۔ لسانی اسلوبیات کے تحت زبان کی ان خوبیوں میں سے کسی ایک کا تجزیہ ہوتا ہے۔۔۔ تخلیقی زبان کے تجزیئے کے وقت اسلوبیات ان علامتوں، اشاروں کو بھی دیکھتی ہے جو تہذیبی پس منظر، اخلاقی اور معاشرتی اقدار اور عوامی حسیت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔"(40)

شینا اور بلتی زبان میں صوتی ہم آہنگی ہے۔ البتہ معنویات میں یقیناً فرق ہے۔ اردو کے امتزاج سے شینا میں اسالیب کا ایک اور سلسلہ چل نکلا ہے۔ شینا کے بعض ضرب الامثال اردو کے عین معانی کے مطابق ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسلوب اردو سے متاثرہ ہے۔ نمونے کے لئے شینا اور بلتی کے ضرب الامثال سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں:

شینا	اردو
صبری الی ژنگی ہن (صبر کی رسی لمبی ہے)	صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے
جون شپئی رموٹی جو گہ ار (سانپ کو دیکھ کر رسی سے ڈر)	سانپ کا ڈسا رسی سے بھی ڈرے
امسمنیٹ تھو تھگو موکھٹ	آسمان کا تھوکا منہ پر
بلتی	
خنم لا تھوک تاہنا غدونگ لا	آسمان کا تھوکا منہ پر۔
بیاروغی چھونگ جوخ پوسا مسونگ (کوئے کی اچھل بھی نہ ہوئی)	کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا
سترق پی درول جوخ پوسا مسکونگ (چکور کی چال بھی نہ ہوئی)	
گونگ ہرژینگ گو بوربا	اپنا گریبان خود جھانکنا

اردو نے تشبیہات، استعارے، صنعتوں میں بہت زیادہ امتزاج کیا۔ شاعری میں مقامی استعاروں کے ساتھ اردو کے معروف استعارے در آئے ایسا عموماً ملی نغموں اور گیتوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان میں دخیل الفاظ کی بہتات ہے۔ پروفیسر عثمان نے اس صورت حال کو بہت باریک بینی سے جانچا ہے:

"اردو ہمارے گلیوں میں کھیلنے والے بچوں کی زبان ہے۔ اس طرح انگریزی وہ وہ الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں وہ ہماری زبانوں کا حصہ ہیں۔ ان زبانوں پر اردو کے حاوی ہونے کے امکانات ہیں۔ نیز ہماری ان زبانوں کا اپنا کوئی رسم الخط نہیں جس کے باعث بھی کوئی تحریری ادب پروان نہیں چڑھ رہا۔"(41)

شینا میں لفظیات محدود ہونے کے باعث قافیوں کا تصور محدود ہو گیا۔ قدیم شاعری میں قافیوں کو اہم نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ خیال کو اسی کے مطابق کوئی بھی لفظ رکھ کر نظم کر دیا جاتا۔ فضل الرحمن عالمگیر نے اس ضمن میں ایک شینا مضمون لکھا ہے جس کا ایک حصہ کچھ یوں ہے:

"شینا شاعررير گہ تشارک مصرو گایے لکھو کییئ رواج عام بل تو ایسر گہ انیہ ابش مچھو بل کیہ تو بودھ مصرعو گایو کار تھے بودھ ہم قافیہ لفظو ضرورت بئی۔لیکن شینا زبانئی الفاظو ذخیرہ کم بوکنی وجہ گی ہم قافیہ الفاظی تلاش تھوک تونے اے شعر و مجائی طریقہ گی تریتب دوک کیسے ہر مصرع گائیی مضمونئی مطابق بئی استادی بےبس بینن۔"(42)

ترجمہ: شینا شعرا اور گانے لکھنے والوں کے لئے ہم مصرع اور قافیوں میں کام کرنا دقیق ہے۔ کیونکہ زیادہ ہم مصرع ہم قافیہ لکھنے کے لئے زیادہ ایک جیسے الفاظ کی ضرورت ہے لیکن شینا زبان کا ذخیرہ کم ہے اس لئے قافیہ تلاش کرنے میں دشواری آتی ہے تو شعرا قافیہ تلاش کرنے کی بجائے خیال پر شعر وزن کرنے پر مجبور ہیں۔

اس مقدمے کی روشنی میں اگر ہم دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ اردو اسالیب اور لفظیات سے استفادہ کرنے کی راہیں شینا شعرا نے نکالی ہیں۔ اردو کے قوافی کو استعمال کرنا اب ایک عام بات ہے۔ شینا شاعر اختر حسین بے تاب کی غزل ملاحظہ ہو:

بودی مشہور ہن می ہیئی پھونر
جنتی ہور ہن می ہیئی پھونر
جگئی خوشی جو غم اسپائی
ہیئی سرور ہن می ہیئی پھونر
مئی دادو ہیئی سانت لش بے ہنسے
جگون گی دور ہن می ہیئی پھونر

کوشش مس تھیگہ یار بجوک دوبالس
شیشی گھور ہن می ہیئی پھونر
وعدہ تس تھیگہ وفا تھوک دربالی
شاید مجبور ہن ہن می ہیئی پھونر
بیتاب اے بے وفائ نے اموشس
ہیٹ منظور ہن می ہیئی پھونر

کلام کا اسلوب خالص عشقیہ اور سادہ ہے۔ اس میں سلاست ہے۔ مطلع ،اشعار، مقطع ، قوافی او رردیف دیکھے جاسکتے ہیں۔ہور(حور)سرور ، مشہور، منظور ،دور جیسے قوافی براہ راست اردو کے دخیل الفاظ ہیں۔جنت ،خوشی ،کوشش ،وعدہ،شایداور بے تاب جیسے الفاظ بھی اردو کے ہی ہیں اسی سے اندازہ لگایا جاسکتاہے کہ اردو کس قدر ان زبانوں میں سرایت کرچکی ہے۔اگر لفظیات کی بات کی جائے تو اب شینا میں دیوانہ ،عاشق، جگر ،زندگی ، غم ، خوشی جیسے الفاظ براہ راست استعاری کئے جاتے ہیں۔صنعت تلمیح ، صنعت تکرار، صنعت تضاد، ادماج، صنعت تجنیس ،مراعات نظیراور دیگر صنائع لفظی اور معنوی اردو کے اثر سے ان مقامی زبانوں میں اپنا رنگ جمارہی ہیں۔

عہد حاضر کے نوجوان شاعر یوسف کھسمن نے اسمائے معرفہ کوبطور شعری استعارہ استعمال کر کے ایک دلچسپ اسلوب فراہم کیاہے۔ شاعر ان خوشامدی شعرا پر طنز کررہاہے جو ادبی محافل کی آڑلے کر پیسے کماتے ہیں جبکہ شاعر کو صرف دادو تحسین کے جملوں پر ٹرخایاجاتاہے:

نیانگ لہ شاعر مشرق زیرینا
کھرین یود قائد اعظم پو یانی

ترجمہ: ہمیں شاعر مشرق کہہ کہہ کر قائد اعظم تو آپ لے جارہے ہیں۔ استعارے کے اس اسلوب میں ایہام بھی ہے۔اس طرح نثری اسالیب میں سلاست،روانگی، شستگی،طنز ومزاح، شگفتگی اوررزمیہ ورمزیہ ماحول شینا بلتی کاخاصہ ہے۔ریڈیائی ڈراموں، کہانیوں،افسانوں اور مضامین میں یہ رنگ جھلکتاہے۔

ii۔اردو سے مستعار اسالیب

گلگت بلتستان کے محدود تحریری نثری ادب میں اصناف نثری تواردو کے زیر اثر تھے ہی تاہم ان کو رقم کرتے ہوئے لکھاریوں کا مزاج بھی اردو اسالیب کی تقلید کرتا نظر آتاہے۔ شعری ذخیرے میں موضوعات اگرچہ

مختلف ہیں مگر اسلوب میں مستعار اسالیب سے انکار ممکن نہیں۔ ان زبانوں کے ادب میں فکر، زبان اور رنگ تینوں میں اردو کی چھاپ ہے۔ڈاکٹر عظمی سلیم لکھتی ہیں:

''نت نئے خیالات کے ساتھ ساتھ ملکی و غیر ملکی پالسی کے تحت ہونے والی بین الاقوامی تبدیلیوں کی جھلک بھی یہاں کی شاعری میں محسوس کی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ اردو شاعری پر مقامی زبانوں کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔''(43)

اردو نے ان زبانوں کو نہ صرف نئے الفاظ عطا کئے بلکہ ان الفاظ کے ساتھ نئی جہت سے بھی نوازا۔ اردو سے یہاں ادبی اسالیب کی بھرمار ہوئی۔ چونکہ اسلوب کا تیسرا اصول زبان سے متعلق ہے اس لئے ہم بلتی اور شینا شاعری میں اردو کی نیرنگ خیالی، ندرت، تراکیب بندشوں، صنائع، بدائع دیکھیں گے۔ اردو کے ہی اسلوب کی بنیاد پر یہاں کی بے ترتیب لوک گیتوں اور لوک کہانیوں لفظی، صوتی اور فکری زاویے ملے۔ فدا حسین شمیم نے قائد اعظم اور وطن کی محبت میں جو گیت لکھا اس کا اسلوب کسی قدر اردو سے ہی مشتق ہے:

بیاس یانی سی قائم نئی فیا مرکز ایمان
لے قائد اعظم یری احسان یری احسان
لے بندہ یزدان یانی سکیالس بندہ شیطان
یود برصغیریکھا یری شزدے نا احسان
لے قائد اعظم یری احسان یری احسان

نغمے میں جہاں مشہور اردو نغمہ "یوں دی ہمیں آزادی کی دنیا ہوئی حیران" کا آہنگ پوری طرح بول رہا ہے وہیں اس نغمے میں صنعتیں بھی دل چسپ ہیں۔ بندہ رحمان اور بندہ شیطان کے استعارے اپنی جگہ تضاد پیدا کرتے ہیں اور یہ لفظ مرکب اضافی بھی ہیں۔ اس میں فکر اردو کے ماتحت ہے۔ منظوم تراجم میں میں عموما فکر کے علاوہ اسلوب بھی اصل زبان کی پیروی کرتا ہے اس لئے بلتی اور شینا میں ہونے والے تراجم میں اسلوب اردو سے ہی مستعار ہے۔ احسان علی دانش نے "علامہ اقبال کی منتخب نظموں کا ترجمہ" میں بلتی ترجمہ یوں منظوم کیا ہے:

''عروس شب کی زلفیں تھیں ابھی ناآشنا غم سے
ستارے آسماں کے بے شرر تھے لذت غم سے

ترجمہ:

نوزن میدپا دورونگ تھون تھون ژھنی بخموئے ہرکالونگ فچودنا
خنمی سکرمونگ لا بگیوک بگیوک ہرژے بلودی مید پا نوزن چھودنا"[44]

اس بلتی ترجمہ تھون تھون، بگیوک بگیوک جیسے الفاظ صنعت تکرار کی بہترین مثالیں ہیں۔ شینا زبان میں بھی اردو کے اس مزاج کا ایسا اثر ہے کہ بعض اوقات زبان سے غیر مانوس قاری بھی پڑھ صرف عبارت کی بنیاد پر مفہوم اردو میں اخذ کرلیتا ہے۔ پیر نصیر الدین چلاسی کی نعت کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

محمد ﷺ مصطفی ا محبوب رب ہوں
شفیع المذنبین شاہ عرب ہوں
بیانی بوئے مخلوقو سردار
نئے سردار آئیں عالی نسب ہوں

کلام میں صرف "ہوں" کے شینا لفظ "ہے" کا ترجمہ کیا جائے تو باقی کلام خود بخود کھل کر سامنے آجاتا ہے کیونکہ یہ مرکبات اور تراکیب فارسی کی ہیں مگر ان کا داخلہ اردو کے فکر سے ہوا ہے۔ شینا کی غزل بھی اردو غزل سے بہت زیادہ متاثر ہے شینا غزلوں میں اردو اسالیب کا برتنا عام سی بات ہے۔ ان میں اکثر فراق یار ،وصال، رقابت کے موضوعات پر اردو میں مستعمل استعارے، تشبیہات کا استعمال کیا جاتا ہے۔ امین ضیا کی غزل ملاحظہ ہو:

"چکون زندہ بہ مئی شریر اکی نے
مہ نوش توم جلئی خبریر اکی نے
نوش اعتبار مئی ڈاکٹریر اکی نے
می دوا ہن تھی چادریر اکی نے

ترجمہ: اے میرے محبوب ویسے تو میں تیرے شہر میں زندہ ہوں لیکن مجھے اپنی جان کی کوئی خبر نہیں ہے مجھے جو بیماری لگی ہے اس کا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے میرے مرض کی دوا تیرے چادر کے پلو میں بندھی ہے ہوئی ہے۔"[45]

بلتی مرثیہ کا آہنگ تو شروع سے ہی اردو سے مختلف تھا اس کی ہیئت بھی الگ ہے۔ تاہم اردو نے بلتی نوحہ کو اپنے اسلوب سے متاثر کیا۔ اردو سے اصناف اور اسلوب دونوں نے ہی بلتی نوحہ نگاری میں جگہ

بنائی۔ راجہ محمد علی شاہ صبا کے قلمی نسخے سے ملنے والے مستزاد نوحے میں محشر لکھنوی کے ایک کلام کے اسالیب کس قدر قریب ہیں ملاحظہ ہو:

"یودپا نلا تونگو بولہ بلتھو د چی کلے ہلتو
ہائ لے علی اکبر
لزود ژوخ پو یری ہلژخمہ غدونی کھا کلے سہرو
ہائ لے علی اکبر
تھنگلہ زدیپا تونگ زیرے اونید سکد بابا شرگو
یود کھوقکھولی کھا نوین
شوخ لے انوئے سنگے نلا تھیق مید ہے بی بی نو
یائی لے علی اکبر"(46)

ترجمہ: اے علی اکبر ماں کو تمنا تھی کہ تیرا سہرا سجا کر دیکھے۔ تیرے چاند سے چہرے پر سہرا سجا ہو۔ مقتل سے بابا کی صدا آرہی ہے۔ اے میرے شیر مدد کو آ کہ مجھ سے تیرے بابا کے آنسو نہیں دیکھے جاتے۔ محشر لکھنوی کا کلام کچھ یوں ہے:

کہتی تھی یہ ماں خوں بھری میت سے لپٹ کر
ہائے ہائے علی اکبر
ارمان تھا پہناوں گی پوشاک شاہانی
افسوس کہ راس آئی نہیں تجھ کو جوانی
کیسا تھا مقدر

یہاں توارد کا امکان تو کسی صورت پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم اس کو ہم راجہ صبا کے مطالعے کا اثر کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کلام کہا کہ جس میں پیش رو اردو شاعر اسی ماحول اور ہیئت میں کلام کہہ چکے تھے۔ یہاں المیہ، ماحول اور لفظوں کا مزاج بہت ملتا جلتا ہے۔ شیخ غلام حسین سحر نے بلتی عارفانہ کلام اور تصوفانہ کلام کا ایک منفرد رنگ اپنایا ہوا ہے۔ مجموعہ کلام "پیام سحر" میں ان کے لکھے ایک کلام میں جس طرح اردو اسالیب کی جھلک ملتی ہے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

"شزدیکھہ قبول بیوس ہے امت کنی نذرانہ

درگہ لا جفول بین یود باحال فقیرانہ
زیرس زینب س کبریٰ لا مظلوم خوجا سی یو
امت کنی فیا تھیوق ہے شاقات اسیرانہ
ہاشم پی جوان سینگ چھم یل اہل حرم چکتو
ہلتوس خیمہ گہ مولا در حالے ویرانہ
مظلوم خوجا سی زیرس معصوم سکینہ س لا
تھیوق ہے میگی اود تھونگنوک آثار یتیمانہ"(47)

اس کلام میں قافیوں میں بلتی کی بجائے اردو میں مستعمل فارسی الفاظ کو بطور قافیہ اکثریت سے استعمال کیا گیا ہے۔ کلام شستہ، رواں، بامحاورہ اور تلمیح سے بھرپور ہے۔

شینا اور بلتی نثری ادب میں چونکہ اصناف لگ بھگ تمام ہی اردو سے مستعار ہیں اس لئے یہاں اردو کے رنگ ، مزاج، فکر، لفظ، صنائع، بدائع، علم بیان اور لفظیات اور صوتیات سے متاثرہ ادب کی آبیاری ہو رہی ہے۔

حوالہ جات

1۔ فضل الرحمن عالمگیر، شینا، شیناز بان وادب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، طبع اول1999، ص100

2۔ محمد حسین حکیم، سوال نامے کا راقم کو تحریری جواب، 3اکتوبر2020، بوقت2:34pm

3۔ محمد عباس کاظمی، بلتی لوک گیت، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، اپریل۱۹۷۸، ص166

4۔ فضل الرحمن عالمگیر, شینا شاعری ایک جائزہ، مشمولہ، بلورستان، گورنمنٹ ڈگری کالج گلگت، ص179

5۔ پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا شمالی علاقہ جات، لوک ورثہ اسلام آباد / الفیصل پبلشرز، 2004ص71

6۔ وزیر حمایت حسین، بلتستان کا تہذیبی وثقافتی ورثہ، آفتاب منزل، سکردو، 2017، ص204

7۔ تاج عبدالخالق، جلوہ شمال، ادبی بورڈ گلگت بلتستان، سکردو، 1999، ص272

8۔ صبا محمد علی شاہ, بلتی شاعری، مشمولہ، بلورستان، گورنمنٹ ڈگری کالج، گلگت، ص184

9۔ تاج ظفر وقار، (انٹرویو) از عارف حسین، گلگت، 3اکتوبر، 2020، بوقت 2بجے دن

10۔ سید عالم, شمالی علاقہ جات کا لسانی وادبی جائزہ، استور ڈاک خانہ، استور، 2018ِص68

11۔ محمد عباس کھرگرونگ، منتخب بلتی لوک گیتوں کا مجموعہ، ماڈرن اشٹیشنرز، سکردو، 2015، ص18

۱۲۔ محمود قاسم، دیباچہ، عبدالخالق تاج، شیناز بان وادب،، اکادمی ادبیات اسلام آباد، طبع اول1999، ص3

13۔ حسرت محمد حسن، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، 2004، ص46

14 سید عالم, شمالی علاقہ جات کا لسانی وادبی جائزہ،ِص68

15۔ کریم مدد، شیناز بان ادب روایات امکانات، https://urdu.pamirtimes.net/2019/02/13/shina-language-and-literature/، 7نومبر2020، بوقت10:00 a

16۔ عظمی سلیم، ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، اکادمی ادبیات، اسلام آباد، طبع اول، 2017، ص58

17۔ پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا شمالی علاقہ جات، ص36

18۔ شکیل احمد شکیل، دی دی شلوکے، انفارمل کمیٹی فار شینا پروموشن، گلگت، طبع اول 2007، ص، 12

19۔ محمد عباس کھرگرونگ، ڈرامہ لزوشر، قلمی نسخہ، جولائی 2020، ص1

20. عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، 2008، ص136

21۔ عظمی سلیم ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، ص74

22۔ غلام حسین بلغاری، (انٹرویو) از عارف حسین، 202 سکردو، 18 جولائی، 2020، بوقت 2 بجے دن

23۔ دانش احسان علی، علامہ اقبال کی منتخب نظمیں، اکادمی ابیات پاکستان، اسلام آباد، 2017، ص8

24۔ عظمی سلیم ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، ص79

25۔ حسر تمحمد حسن، پاکستانی زبانیں مشترکہ لسانی ورثہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2009 ص، 462

26۔ سحر شیخ غلام حسین، پیام سحر، بلتستان بک ڈپو، سکردو، 2013، ص155

27۔ الہامی حشمت کمال، نظم بلتی، ستود کھی خیرہ، ماسٹر علی کسان پولٹری فارم، سکردو، 2016، ص88

28 عظمی سلیم، ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، ص81

29۔ حسر تمحمد حسن، پاکستانی زبانیں مشترکہ لسانی ورثہ، ص، 462

30۔ دنیوری غلام حسین انجم، شینا ادب اور شاعری، خیر الناس ویلفیر ٹرسٹ، گلگت، 2008، ص83

31۔ عظمی سلیم ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، ص58

32۔ دنیوری غلام حسین انجم، شینا ادب اور شاعری، ص83

33 غلام حسین بلغاری، بلتی غزل کا قلمی نسخہ، راقم کو انٹرویو کے وقت ملا، 18 جولائی 2020

34۔ اکبر حسین اکبر، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، طبع اول2004، ص

35 یوسف علی کھسمن، کھسمنی سنیننگ بوس، ناردرن پرنٹنگ پریس، راولپنڈی،2004، ص28

36۔ عبدالخالق تاج، شینا زبان و ادب،، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، طبع اول1999، ص160

37۔ یوسف حسین آبادی، اظہاریہ، پھہ ہر تخ، محمد افضل روش، سودے بکس لنک روڈ سکردو،2005، ص3

38۔ حسن حسرتمحمد حسن، پاکستانی زبانیں مشترکہ لسانی ورثہ، ص،478

39۔ الہامی حشمت کمال، تبصرہ، مشمولہ پھہ ہر تخ، محمد افضل روش، سودے بکس لنک روڈ سکردو،2005، ص3

40۔ نصیر احمد خاں ڈاکٹر، اسلوب اور اسلوبیات، پورب اکادمی، اسلام آباد،2003، ص12

41۔ عثمان علی پروفیسر، خطہ قراقرم کی زبانیں اور معاشرہ، مقبول اکیڈمی انار کلی، لاہور،1996، ص36

42۔ عبدالخالق تاج، شینا زبان و ادب،، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، طبع اول1999، ص100

43۔ عظمیٰ سلیم ڈاکٹر، شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، ص125

44 دانش احسان علی، علامہ اقبال کی منتخب نظمیں، اکادمی ابیات پاکستان، اسلام آباد2017، ص58

45۔ اکبر حسین اکبر، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، ص253

46۔ صبا راجہ محمد علی شاہ، نوحہ بلتی، قلمی نسخہ بیاض سے لیا،2020

47۔ سحر شیخ غلام حسین، پیام سحر، بلتستان بک ڈپو سکردو،2013، ص105

باب پنجم:

ماحصل

الف: مجموعی جائزہ اور نتائج

گلگت بلتستان میں پندرہ سے زائد بولی جانے والی زبانوں میں شینا اور بلتی دو بڑی زبانیں ہیں جن پر اس خطے کی ادبی بنیاد کھڑی ہے۔ شینا زبان ہند آریائی ہونے کی وجہ سے اپنے قواعد، رسم الخط، لکھائی کے انداز میں اردو سے مشابہت بھی رکھتی ہے۔ اس زبان میں بے جان کی تذکیر و تانیث، واحد جمع اور ضرب الامثال و محاورات کا ماحول اردو قواعد سے ملتا جلتا ہے جبکہ یہ زبان گلگت ریجن کے عوام کی نمائندہ زبان ہے۔ اسی طرح بلتی زبان سائنو تبتین زبانوں کی شاخ ہے۔ اس زبان کی ساخت اور قواعد بھی مختلف ہیں جبکہ اس کا اصل رسم الخط ''اگے'' دیوناگری سے ملتا جلتا ہے۔ بلتی میں بے جان کی تذکیر و تانیث کا کوئی تصور نہیں جبکہ تبتی زبانوں کی پیروی میں یہ بھی بائیں سے دائیں لکھی جاتی ہے۔ شینا اور بلتی زبان کے بولنے والے پاکستان کے انتہائی شمالی علاقے گلگت بلتستان کے علاوہ، بھارت کے علاقہ لداخ، کرگل اور نیپال کے علاقے میں ہیں جبکہ پاکستان میں ضلع کوہستان میں بھی شینا بولی جاتی ہے۔ شینا کے تین لہجے گلگتی، استوری اور کوہستانی ہیں جبکہ بلتی میں لہجوں کو الگ نام تو نہیں دیا گیا لیکن اس زبان میں علاقوں کے حساب سے تلفظ اور لہجوں کا تفاوت موجود ہے۔ دونوں زبانوں کا ادب لوک گیتوں اور لوک کہانیوں کے عہد قدیم سے موسوم ہے۔ یہ کہانیاں اور گیت سینہ بہ سینہ چلے اور ان کو محفوظ نہ کرنے کی وجہ سے ان کا بہت بڑا ذخیرہ تلف ہو گیا لیکن عہد متاخرین کے ادبا نے اس جانب شعوری کام کیا اور اس ضمن میں قابل قدر کردار ادا کیا۔ اکبر حسین اکبر نے شینا اور اردو کے مشترک الفاظ پر کام کیا تو امین ضیا نے لغات ترتیب دے کر زبان کو جلا دی۔ بلتی میں محمد علی شاہ صبا نے اردو بلتی لغات لکھا، سید عباس کاظمی اور محمد عباس کھرگرونگ نے قدیم لوک گیتوں کو جمع کیا اور شائع کیا۔ گلگت بلتستان میں اردو کی آمد ڈوگرہ راج کے ساتھ ہوئی اور 1842 کے بعد یہاں اردو کا جو نفاذ شروع ہوا تھا وہ 1893 تک مکمل

ہو گیا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اردو نے بہت جلد ترقی کی۔ اردو کی آمد کے بعد ان دونوں زبانوں نے تیزی سے اردو کا اثر قبول کیا۔ دوران تحقیق ان ہی اثرات کو بہت باریک بینی سے دیکھنے کی کوشش کی گئی۔ دوران تحقیق معلوم ہوا ہے۔ شینا اور بلتی دونوں ہی اپنے رسم الخط سے محروم ہیں اور اب ان زبانوں کا انحصار اردو رسم الخط پر ہے۔ اس مقالے میں ثابت کیا گیا ہے کہ اردو کے زیر اثر شینا اور بلتی میں قواعد، زبان، لہجوں ،تلفظ، ادبی موضوعات، افکار، اسالیب اور اصناف میں کیا کچھ تبدیل ہوتا رہا ہے۔ دونوں زبانوں کے ادبی محاسن پر بھی بات کی گئی اور دکھایا گیا کہ شینا ہو کہ بلتی دونوں میں منظوم ادب زیادہ توانا ہے اور یہاں کے لوک گیتوں کا فنی اور فکری اسلوب بہت جاندار ہے۔ دونوں زبانوں کی نثر نگاری پر بات کی گئی۔ دیکھا گیا شینا زبان کی تہجی اور قواعد پر بات بیرونی مفکرین نے کی جبکہ ملکی محققین میں ڈاکٹر شجاع ناموس وہ پہلے محقق ہیں جنہوں نے شینا زبان پر ضخیم کتاب لکھی۔ شینا زبان محمد امین ضیا نے لغات مرتب کیا اور اس میں دخیل الفاظ کو خصوصیت سے جگہ دی گئی۔ شینا اور بلتی زبانوں میں ادب پر مذہب کے اثرات نمایاں ہیں۔ اس مقالے میں دیکھا گیا کہ اردو نے بلتی اور شینا کو لسانیات کے تمام پہلوؤں سے ایسا متاثر کیا ہے کہ زبان اور ادب دونوں ہی میں اردو ان دونوں زبانوں پر غالب ہے۔ بول چال، لکھنے اور ادب کی تخلیق سب میں ہی اردو کا غلبہ ہے۔ مقالے میں بتایا گیا اس خطے کو ادبا نے نامساعد حالات اور محدود ترین وسائل میں بھی یہاں کے ادب کی آبیاری کی۔ گلگت بلتستان میں مقامی ادب کو ترقی دینے میں ریڈیو پاکستان کا ایک ایسا کردار دوران تحقیق سامنے آیا جو کہ قابل قدر ہے۔ مقالے میں بتایا گیا کہ کس طرح ریڈیو سے مقامی نشریات کے لئے نثری اور منظوم ادب تیار کرایا جاتا تھا۔ اس عمل سے ادبا کو ایک نئی جہت ملی اور یوں اردو ادب سے متاثرہ ادب نے یہاں باقاعدہ پنپنا شروع کیا۔ ریڈیو ڈراموں، فیچرز، کمپیرنگ اسکرپٹ، گیتوں اور ملی نغموں کی وجہ سے مقامی ادب نے ایک نیا سانچہ تیار کیا جس کو عہد جدید کے ادبا نے تیزی سے آگے بڑھایا۔ یہاں کتابی اور اشاعتی صورت میں جو زبان اور ادب شائع ہو رہا ہے ان میں منظومات کی تعداد نمایاں طور پر زیادہ ہے جبکہ نثری ادب اگرچہ کتابیں شائع تو ہوئی ہیں لیکن ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ مقالے میں بتایا گیا کہ کس طرح اردو نے اصاف نے مقامی اصناف کو بدلا۔ اردو کی آمد کے بعد یہاں حمد، نعت، قصیدہ، مدح، ملی نغمہ، ترانا اور گیتوں کا نیا دور متعارف ہوا جن میں افکار پر اردو کی چھاپ تھی اور اسلوب میں اردو کی بھرمار نظر آتی ہے۔ اسی طرح نثر نگاری کے میدان میں بھی مطبوعہ

مواد کا مطالعہ اور تقابل سامنے رکھ کر دکھایا گیا جن سے اردو کے اثرات کی وضاحت خود بہ خود ہو جاتی ہے۔ گلگت بلتستان میں بدلتے ادبی رجحانات کو ان اصناف ادب کے ذریعے دیکھا جاسکتا ہے جن میں اردو سے ان زبانوں نے براہ راست استفادہ کیا۔ ان میں منظوم و منثور تراجم ، آزاد نظمیں، ملی نغمے ،ڈرامے اور افسانے نمایاں ہیں۔ مذکورہ اصناف ادب میں کئے گئے تجربات شائع ہونے کے بعد نئے لکھاریوں کے لئے بھی قابل تقلید اصناف بن رہے ہیں۔ اردو اسالیب نے بھی ان مقامی زبانوں کے ادب کو جس طرح متاثر کیا ہے وہ بھی قابل غور ہیں۔ شینا اور بلتی زبان کا خاصہ رہا ہے کہ ان زبانوں میں تشبیہات، استعارات، محاورے اور ضرب الامثال کا ماحول فطری ہے۔ ان زبانوں کے محاورات اور ضرب الامثال کو مقامی لکھاریوں نے کتابوں میں شائع کیا ہے جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں علاقائی لفاظی بھی ہے اور اردو کے افکار بھی۔ اردو کے اثر سے تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کا دامن وسیع ہوا تو شینا اور بلتی زبان میں بھی ادب نے اسلوبیات کی کروٹ لی۔ اردو کے مطالعے کے بعد جن ادبا نے اس مطالعے کے زیر اثر مقامی ادب تخلیق کیا ان میں اردو کا مضبوط عکس نظر آتا ہے۔ اسلامی یا مذہبی موضوعات کے بعد گلگت بلتستان کے ادبا نے علامہ اقبال کو بہت زیادہ زیر بحث اور زیر فکر لانے کی روایت اپنائی۔ کلام اقبال کے تراجم دونوں زبانوں میں ہوئے۔ بلتی زبان میں کتاب بھی چھپ چکی ہے۔ جبکہ شینا زبان کے شعرا نے بھی اس حوالے سے خصوصی منظوم تراجم کئے ہیں۔ اردو کا ترقی پسند مزاج بھی ان زبانوں پر اثر انداز رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہاں پر مزاحمت پسند ادب بھی ترقی پاتا رہا اور شینا و بلتی شاعری و نثر دونوں میں ایسے موضوعات کو جگہ دی گئی جن سے معاشری کی برائیوں کو للکارا جائے اور ان برائیوں کے خاتمے کے لئے آواز اٹھائی جائے، ایسا منظوم اور منثور دونوں ہی نثر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مقالے میں ان تراجم کے بحور، قوافی اور ردیفوں سمیت ان کے اوزان پر بحث کی گئی۔ یہ بھی مقالے میں بتایا گیا کہ فارسی کی آمد سے پہلے یہاں کی مقامی شاعری میں قوافی ،ردیف اور اوزان کا تصور موجود نہیں تھا بس کسی مخصوص دھن پر شعر کہنے کا عمل شاعری کہلاتا تھا مگر فارسی نے یہ ماحول فراہم کیا مگر اس پر اصل عمل درآمد اردو کے توسط سے ہی ہوا۔

ان اثرات سے ہونے والے نقصانات اور فوائد پر ادبا سے پوچھا گیا اور ان سے ملنے والے جواب کو بھی مقالے میں مطبوعہ ادب کے ساتھ تقابل کر کے پرکھا گیا۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ شینا اور بلتی شاعری میں

لوک ادب کا وہ مخصوص دیسی آہنگ تھا جو ناپید ہو گیا ہے۔ اب وہ دیسی تفکر نہیں ملتا جو قدیم اصولوں سے نابلد مگر جذبات و احساس سے بھرپور تخلیق کاروں کا خاصہ تھا۔ اب یہ کہ اصولوں کی فکر میں ادیب اتنا کھو جاتا ہے کہ سانچے اور زبانچے کے چکر میں اس کا تخیل متاثر ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شینا اور بلتی زبان میں شاعری کے لئے محدود الفاظ کی وجہ سے جب درکار قوافی کی کمی ہو جائے تو مقامی شاعر اردو کے قوافی کا بے دریغ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک ملغوبہ سا وجود پذیر ہو جاتا ہے۔ گلگت بلتستان کا ادب اب اس نہج پر ہے جہاں گلگت ریجن میں شینا اردو جبکہ بلتستان ریجن میں بلتی اردو کے غیر اعلانیہ مگر عملی ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ بطور زبان بھی یہ دونوں زبانیں اردو سے اس قدر مزین ہیں کہ اگر اردو کو ہٹا دیا جائے تو ان مقامی زبانوں کے اصل اور متروک و قدیم الفاظ کو ڈھونڈنا بہت مشکل امر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے کے لئے جس دل جمعی اور وسائل کی ضرورت ہے وہ فی الوقت دکھائی نہیں دیتا۔ اس صورت حال کے پیش نظر جب دیکھا گیا تو ایک اور دلچسپ پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ بھلے زبان کو کسی بھی طرح سے دیسی بنا بھی لیا جائے تو اصناف اور افکار پر جو اردو کی چھاپ لگی ہے اس کا کیا ہو گا؟ شینا اور بلتی زبان کے حوالے سے یہ بات دوران تحقیق سامنے آئی کہ ان زبانوں کے ادب کو فروغ دینے کے لئے تعلیمی ادارے، ریڈیو پاکستان، ادبی تنظمیں اور این جی اوز نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ شینا اور بلتی زبان میں قاعدے چھپوانے، تہجیاں ترتیب دینے، گرامر کے خدوخال بیان کرنے، تحفظ زبان کی نیت سے کانفرنس اور سمینارز کرنے سمیت پبلیکیشنز کا بھی سہرا غیر سرکاری اداروں کی جاتا ہے۔ سرکاری اداروں میں ریڈیو پاکستان، اکادمی ادبیات اور مقتدرہ قومی زبان نے شینا اور بلتی ادب کو فروغ دینے کے لئے کاوشیں کیں۔ شینا اور اردو لغات کی اشاعت اکادمی ادبیات پاکستان نے کی، مقامی زبانوں کے کلام کی کتاب چھاپی، کلام اقبال کے بلتی میں تراجم کو شائع کیا جبکہ مقتدرہ قومی زبان نے بلتی اردو لغات کو چھاپا۔ مقتدرہ قومی زبان نے ہی 'شینا زبان و ادب' کے نام سے شینا مضامین اور مقالوں افسانوں کی کتاب چھاپی، اردو اور شینا کے مشترک الفاظ کی اشاعت کی، بلتی قاعدہ، شینا ضرب الامثال اور کہاوتوں کا مجموعہ بھی اسی ادارے نے شائع کیا۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے پاکستانی زبانیں مشترکہ لسانی اور ادبی ورثہ اور شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب کے نام سے ایم فل میں باقاعدہ کورس بھی رکھا ہوا ہے اور اس کی نصابی کتاب بھی شائع کی۔ اگرچہ یہ دونوں کتابیں اردو میں ہیں لیکن ان سے بلتی اور شینا کی جانب دھیان موڑنے اور ساتھ ساتھ اس کے اجرا کا ماحول بنتا دکھائی دیتا ہے۔ اس مقالے میں بتایا گیا کہ گلگت بلتستان کی یہ دونوں زبانیں مخصوص لسانی محاسن اور ادبی نظریات کے باوجود اردو کے زیر اثر اس لئے بھی پنپ رہی ہیں کیونکہ اردو کو بطور سرکاری زبان یہاں کے عوام نے عزت اور قبولیت دونوں ہی دی ہے۔ اس تناظر میں

مقالے میں یہ عیاں کیا گیا ہے کہ اردو نے قومی زبان کی حیثیت سے ہر زاویے سے ہی ان مقامی زبانوں کو متاثر کیا اور ان میں بڑی بڑی تبدیلیوں کی وجہ بھی اردو ہی بنی۔ ان اثرات کے مثبت اور منفی نتائج دونوں ہی ہیں۔ کیونکہ اردو ایک بڑی زبان ہے اس لئے اس کے افکار و موضوعات کو کے کر چلنا بلتی اور شینا دونوں کے مدد گار ہیں تاہم بطور زبان اس کی تہہ میں کئی ایسے خطرات پوشیدہ ہیں کہ جن کو مقامی ادب کے رنگ سے نکال کر دیکھنا کسی بھی عام قاری کے لئے تومشکل ہے لیکن ناقدین اور محققین کے لئے یہ نہ صرف ایک موضوع ہے بلکہ مرحلہ فکر بھی ہے۔ شینا اور بلتی زبان کے ادبا اور ادبی تنظیمیں اس ضمن میں جو کام کر رہی ہیں ان پر بھی مقالے میں ضمنابات کی گئی اور اس میں ناقدین کی رائے کو دو حصوں میں بٹا دیکھا گیا جبکہ گلگت بلتستان کے نکتہ نظر سے یہاں کے عوام میں موجود احساس محرومی کا اثر بھی ان زبانوں میں پر کھا گیا۔

ب۔ سفارشات

۱۔ شینا اور بلتی زبان اپنی تاریخ اور لسانی خصوصیات کے باوجود ترقی پذیر ہونے کی بجائے زوال کی جانب گئیں جس کی سب سے بڑی وجہ رسم الخط کا نہ ہونا ہے، مذہبی افکار نے رسم الخط کو اس قدر معیوب کر دیا کہ بلتی کا رسم الخط تو صرف اس لئے متروک ہوا کیونکہ اس کے لکھنے والے بدھ مت کے پیروکار تھے۔ اسی طرح گلگتی بودھی سنسکرت کا رسم الخط کھو بیٹھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ زبان محدود ہو گئی اور آج تک رسم الخط کا مسئلہ نہ سلجھ سکا۔ ایک ایسے رسم الخط کا ہونا ضروری ہے کہ جو اس ضمن میں سب کے لئے قابل قبول ہو۔

۲۔ اردو کی تعلیم سے اگرچہ اس خطے میں اردو کی ترقی تو کسی حد تک ہو گئی لیکن مقامی زبانیں پس منظر میں چلی گئیں۔ پرائمری سطح تک کی تعلیم میں مقامی ادب اور زبان بچوں کو پڑھانے کے لئے نصاب سازی کی جائے تو مقامی ادب اور زبان بھی پروان چڑھے گا اور اردو رسم الخط کا براہ راست فائدہ نئی نسل کو ہو گا۔

۳۔ جن الفاظ کی شینا یا بلتی موجود نہیں ان کو اردو کی بھرتی کے ساتھ مکمل کرنا شینا اور بلتی زبان کے بولنے والوں میں عام ہے۔ اس ضمن میں ایسا ہو سکتا ہے کہ تمام سلینگ یا دخیل الفاظ کو باقاعدہ ان زبانوں کا حصہ بنایا جائے تاہم متروک الفاظ کی تلاش اور احیا کے لئے کاوشیں کی جائیں ان کی کتابیں چھاپی جائیں۔

۴۔ اردو کو بطور زبان پوری طرح سے ان دونوں مقامی زبانوں پر حاوی کیا جانا ممکن نہیں کیونکہ اردو لہجوں اور تلفظ کے معاملے میں ان زبانوں کی نسبت محدود ہے اس لئے اردو کی ادبی اصناف اور اسالیب سے مقامی زبانوں کو زیادہ فائدہ دیا جاسکتا ہے جبکہ شینا اور بلتی کے اضافی اور مخصوص تلفظ و لہجوں کو غیر مقامی افراد تک قابل فہم بنانے کے لئے فونیمات پر سنجیدہ کاوشوں کی ضرورت ہے۔

۵۔ گلگت بلتستان کی یہ دونوں زبانیں دنیا کی معدوم ہوتی زبانوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ ادبا اگرچہ اس بات کو نہیں مانتے اور ان کا دعویٰ ہے کہ جب تک مقامی قدیم منظوم ادب زندہ ہے کوئی ان زبانوں کو معدوم نہیں کر سکتا۔ اس ضمن میں یہ کہ ایسا کہنا آسان ہے لیکن حقیقت ہے کہ جس تیزی سے لفظ غائب ہو رہے ہیں خارج از امکان نہیں کہ زبان بھی انحطاط پذیر ہو اس لیے قدیم منظوم ادب اور لوک کہانیوں کو نہ صرف کتابوں میں محفوظ کیا جائے بلکہ ان کو آوازوں سے ہم کنار کرایا جائے۔ مذہبی کلام کو پڑھا کر جبکہ گیتوں کو گوا کر محفوظ کیا جائے تو ان کا تلفظ، آہنگ اور اسلوب بھی محفوظ ہو گا۔

۶۔ اردو کو ہی ان زبانوں کی ترقی کے لئے استعمال کرنا بھی کوئی ناممکن کام نہیں۔ ملک کے بڑے صحافتی اور ادبی اداروں میں مقامی زبانوں پر کانفرنس، سیمینارز اور مقامی ادب کے پروگرام رکھے جائیں۔ غیر معمولی ادب تخلیق کرنے والے، مقامی زبان پر کام کرنے والے کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے اور اردو میں ان کی تشہیر کر کے اس روایت کو مزید پختہ کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ گلگت بلتستان میں سرکاری یا غیر سرکاری کسی بھی تعلیمی ادارے میں نصابی یا ہم نصابی طور پر لوکل زبان اور ادب کے فروغ کا کوئی تصور نہیں۔ نہ ہی سرکاری محکمے اس جانب کوئی توجہ دیتے ہیں۔ راقم کی تجویز ہو گی کہ گلگت بلتستان میں ادارہ برائے تحفظ مقامی زبان و ادب کا قیام عمل میں لایا جائے تا کہ زبانوں کو لاحق خطرات کا تدراک ہو اور ان کو ترقی ملے۔ گلگت بلتستان کی جامعات میں مقامی زبانوں کا شعبہ یا پھر ریسرچ سنٹر ہو جو کہ ان زبانوں کے لئے کام کرے۔

۸۔ اردو زبان کے امتزاج سے آنے والا ادب اپنی مثال آپ ہے اس ادب کو بھی فروغ دیا جائے اور اس کے لئے بھی مقتدر ادارے اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

کتابیات

I۔ بنیادی ماخذ

اکبر حسین اکبر، اردو اور شنا کے مشترک الفاظ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

امین ضیا، پروفیسر، شنا کا قاعدہ اور گرامر، ناشر ندارد، 1978

امین ضیا، پروفیسر، سوئینو مورے، لوک ورثہ اسلام آباد، 1978

بلتی قاعدہ، مرتب مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، 2002

پھچو اقبال، "اگے "بلتی قدیم رسم الخط، ٹی ایس پرنٹرز راولپنڈی، 2002

حسنی، غلام حسن، بلتی تم لو، شبیر پرنٹنگ پریس سکردو، 2002

روش محمد افضل، پھہ ہر تخ بلتی افسانے، سودے بکس سکردو، 2004

عبد الخالق تاج، شنا قاعدہ، ایس ٹی پرنٹرز راول پنڈی، 1989

عثمان علی، پروفیسر، گلگت کی لوک کہانیاں، ناشر نامعلوم، 1990

محمد عباس کاظمی، بلتی لوک گیت، لوک ورثہ اسلام آباد، 1985

II۔ ثانوی ماخذ

آفریدی بنات گل، بلتستان ان ہسٹری، ایمجے پبلشر پشاور، 1998

اشرف کمال ڈاکٹر، لسانیات اور زبان کی تشکیل، عبد اللہ اکیڈمی، لاہور، 2018

اکبر حسین اکبر، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2004

امین ضیا، پروفیسر، شنا اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، 1990

برچہ شیر باز علی، عکس گلگت بلتستان، نارتھ پبلی کیشن، گلگت، 2013

برچہ، شیر باز علی، گلگت ۱۹۴۷ سے پہلے، ہنی سارا پبلشرز گلگت، 2001

پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا شمالی علاقہ جات، لوک ورثہ پاکستان / الفیصل پبلشرز، اسلام آباد، 2004

تاج عبد الخالق، جلوہ شمال، ادبی بورڈ گلگت بلتستان، سکردو، 1999

تاج عبد الخالق تاج، شینا زبان و ادب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1999

حبیب کیشوی، کشمیر میں اردو، لاہور مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1979

حسرت محمد حسن، شمالی علاقہ جات کی زبانیں اور ادب، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، 2004

حسرت، محمد حسن، بلتستان تہذیب و ثقافت، بلتستان بک ڈپو سکردو، 2003

حسرت، محمد حسن، تاریخ ادبیات بلتستان، راولپنڈی ناشر نامعلوم، 1995

حشمت اللہ مولوی، تاریخ جموں، ویری ناگ پبلشر آزاد کشمیر، 1991
خاور عبد الحمید، تاریخ اقوام دردستان و بلورستان، یونین پیکیجز زانٹر پرائز، کراچی، 2009
دانش احسان علی، علامہ اقبال کی منتخب نظمیں، اکادمی ابیات پاکستان، اسلام آباد، 2017
دنیوری غلام حسین انجم، شینا ادب اور شاعری، خیر الناس ویلفیر ٹرسٹ، گلگت، 2008
رقیہ بانو، لداخ میں اردو زبان و ادب، کشمیر یونیورسٹی حضرت بل، سری نگر، 2014
سحر شیخ غلام حسین، پیام سحر، بلتستان بک ڈپو، سکردو، 2013
سید عالم، شمالی علاقہ جات میں اردو، نیشنل بک کونسل پاکستان، 1991
سید محمود قاسم، شینا زبان و ادب،، اکادمی ادبیات اسلام آباد، 1999
شجاع ناموس، ڈاکٹر، گلگت اور شنا زبان، اردو اکادمی بہاول پور، 1961
شکیل احمد، لیونگ لینگو ئجز، آغا خان کلچرل سروسز پاکستان، 2010
شکیل احمد شکیل، دی دی شلوکے، انفارمل کمیٹی فار شینا پروموشن، گلگت، 2007
صبا، محمد علی شاہ، بلتی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان، 2003
عالم استوری، سید، شمالی علاقہ جات میں اردو، ناشر ندارد، 1991
عبد الخالق تاج، شینا زبان و ادب، اکادمی ادبیات پاکستان، 1999
عثمان علی، پروفیسر، شنالوجی، عثمانی کتب خانہ گلگت، 1991
عثمان علی، پروفیسر، خطہ قراقرم کی زبانیں، مقبول اکیڈمی، لاہور 1996,
عطش درانی، لسانی و ادبی تحقیق و تدوین کے اصول، نیشنل بک فاونڈیشن, اسلام آباد، 2016
عظمی سلیم، ڈاکٹر "شمالی علاقہ جات میں اردو زبان و ادب، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، 2008
عظمی سلیم ڈاکٹر، گلگت بلتستان کی زبانوں کا جائزہ، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد 2017,
کاچو اسفندیار، Ancient Wsidom، ال فجر پرنٹنگ پریس لداخ بھارت، لداخ، 2003
کاشف رضوی, سید، پاکستانی زبانیں، آصف ہاوس یاسمین روڈ, اسلام آباد، 2007
لوبسانگ غلام حسن، تاریخ بون فلسفہ، سگما پریس، راول پنڈی، 1999
محمد حسن خان اماچہ, ڈاکٹر، نصاب شاعری اور فارسی بلتی لغت، عماچہ فاونڈیشن, شگر، 2005
محمد عباس کھرگرونگ، منتخب بلتی لوک گیتوں کا مجموعہ، ماڈرن اشٹیشنرز، سکردو، 2015،
محمد قاسم نسیم، فروغ اردو میں ذرائع ابلاغ کا کردار، اخبار اردو پریس اسلام آباد، 2003

محمد نذیر، مطالعہ بلتستان، شبیر پرنٹنگ پریس سکردو، طبع اول،1996

ممتاز منگلوری،ڈاکٹر، مختصر تاریخ زبان وادب گلگت بلتستان، مقتدرہ قومی زبان پاکستان،2009

نصیر احمد خاں ڈاکٹر، اسلوب اور اسلوبیات، پورب اکادمی، اسلام آباد،2013

وزیر حمایت حسین،بلتستان کا تہذیبی وثقافتی ورثہ، آفتاب منزل، سکردو،2017

یوسف حسین آبادی، تاریخ بلتستان، سکردو رسول جوابنڈ حسن جوسنز،2003

یوسف حسین آبادی،بلتستان پر ایک نظر،بلتستان بک ڈپو, سکردو، سن نامعلوم

یوسف علی کھسمن، کھسمنی سنینگ بوس،ناردرن پرنٹنگ پریس،راولپنڈی،2004

Carla F Radllof,Aspects sond system of Gilgiti Shina,Quied e Azam university ,Lahore، ,1999

III۔انٹرویوز

محمد حسین آزاد،(انٹرویو)ازعارف حسین، سکردو، 7جولائی,2020،بوقت 2بجے دن

ذکیہ بتول نجفی،(انٹرویو)ازعارف حسین،اسلام آباد، 20اکتوبر,2020بوقت2بجے دن

محمد عباس کھرگرونگ(انٹرویو)ازعارف حسین، سکردو،5جون2020،بوقت 10بجے دن

عبدالصبور،(انٹرویو)ازعارف حسین، 15نومبر2020،بوقت،6 : 30pm

تاج ظفر وقار،(انٹرویو)ازعارف حسین،گلگت،3اکتوبر،2020،بوقت 2بجے دن

غلام حسین بلغاری،(انٹرویو)ازعارف حسین،202سکردو، 18جولائی،2020،بوقت 2بجے دن

IV۔ویب گاہیں (انٹرنیٹ)

https://www.pnas.org

www.wemountains.com/ur

www.urdu.pamirtimes

https://www.wikipedia.org